قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

اشاعت کا تہترواں سال

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

جون 2016ء

علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ

طلوعِ اسلام کے قارئین کو رمضان مبارک ہو

میدان جنگ میں ثبات و استقامت کا سوال ہو یا معاشرتی اور معاشی دنیا میں نظامِ عدل و مساوات کا قیام، یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ تمہیں اپنے آپ پر ضبط ہو۔ یعنی جب کبھی ایسا ہو کہ تمہارے کسی جسمانی (حیوانی) تقاضہ اور بلند انسانی قدر میں ٹکراؤ ہو تو تم اس قدر کو جسمانی تقاضہ پر ترجیح دو۔ نیز تم جفاکشی اور مشقت طلبی کی زندگی بسر کرنے کے عادی ہو جاؤ۔ اس مقصد کے لیے تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلی اقوام پر فرض کیے گئے تھے۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ تم قوانین خداوندی کی نگہداشت کرنے کے قابل ہو سکو اور زندگی کے سفر میں راستے کے خطرات سے محفوظ رہو۔ (2:183)

علامہ پرویزؒ کے مفہوم القرآن (جلد اوّل، سورۃ البقرہ:183) سے اقتباس

طلوعِ اسلام کا مقصد

جو احباب طلوع اسلام سے تعارف نہیں رکھتے ان کی آگاہی کے لئے ہم طلوع اسلام کے مقصد کو وقتاً فوقتاً سامنے لاتے رہتے ہیں:

1- تنہا عقل انسانی زندگی کے مسائل کا حل دریافت نہیں کرسکتی۔ اسے اپنی راہنمائی کے لئے اسی طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی ضرورت۔

2- خدا کی طرف سے عطا شدہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے جو تمام نوع انسانی کے لئے ابد تک ضابطہ ہدایت ہے۔ لہٰذا اب نہ خدا کی طرف سے کسی کو وحی مل سکتی ہے نہ کوئی نبی یا رسول آسکتا ہے۔ قرآن کریم خدا کی آخری کتاب اور حضور رسالتمآب ﷺ خدا کے آخری نبی اور رسول ہیں۔

3- قرآن کریم کا ہر دعویٰ علم پر مبنی ہے اور اس کے حقائق زمان و مکان کی حدود سے ماوراء ہیں۔ قرآنی حقائق کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ جس حد تک انسانی علم ترقی کر چکا ہے وہ انسان کے سامنے ہو اور چونکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ خدا نے تمام کائنات انسان کے لئے تابع تسخیر کر رکھی ہے اس لئے خدائی پروگرام کو پورا کرنے کے لئے کائناتی قوتوں کی تسخیر ضروری ہے۔

4- نبی اکرم ﷺ کی سیرت مقدسہ شرف و عظمت انسانیت کی معراج کبریٰ ہے۔ یہی وہ پاکیزہ سیرت ہے جو تمام نوع انسانی کے لئے اسوۂ حسنہ (بہترین نمونہ) ہے۔ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کا جو حصہ قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے اس کے قطعی یا یقینی ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ باقی رہا وہ حصہ جو قرآن سے باہر ہے سو اس میں اگر کوئی بات ایسی ہے جو قرآن کے خلاف جاتی ہے یا جس سے حضور ﷺ پر (معاذ اللہ) کسی قسم کا طعن پایا جاتا ہے تو ہمارے نزدیک وہ بات غلط ہے۔ اسے حضور ﷺ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہئے۔ یہی اصول صحابہ کبارؓ کی سیرت مقدسہ کے سلسلہ میں بھی سامنے رکھا جانا چاہئے۔ جہاں تک حدیث کا تعلق ہے ہم ہر اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں جو قرآن کریم کے مطابق ہو یا جس سے حضور نبی اکرم ﷺ یا صحابہ کبارؓ کی سیرت داغدار نہ ہوتی ہو۔

5- دین کا مقصد یہ ہے کہ وہ انسانوں کو دوسرے انسانوں کی محکومی سے چھڑا کر ان سے خالص قوانین خداوندی کی اطاعت کرائے۔ قوانین کی یہ اطاعت ایک نظام مملکت کی رو سے ہوسکتی ہے اس کے بغیر دین (جو نظام زندگی کا نام ہے) متمکن نہیں ہوسکتا۔

6- رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے دین کا نظام قائم فرمایا۔ اس نظام میں قرآن کریم کے احکام و قوانین کی اطاعت کرائی جاتی تھی اور جن امور میں قرآن کریم نے صرف اصول دیئے ہیں ان کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے امور مملکت امت کے مشورہ سے سرانجام پاتے تھے۔

7- رسول اللہ ﷺ کے بعد دین کا وہی نظام حضور ﷺ کے خلفائے راشدینؓ نے جاری رکھا۔ اس میں امور مملکت سرانجام پانے کا وہی طریقہ تھا جو

بقیہ صفحہ نمبر 66 پر

جلد 69 | شمارہ نمبر 06 | جون 2016ء

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

ناشر و چیئرمین: محمد اکرم راٹھور

مجلسِ ادارت
ڈاکٹر انعام الحق، ڈاکٹر منظور الحق
خواجہ ازہر عباس

مدیر انتظامی: محمد سلیم اختر

قانونی مشیر: ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

زرِ تعاون	50 روپے فی پرچہ
پاکستان	-/550 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک	-/800 روپے سالانہ
بیرون ملک	-/2500 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک	-/5000 روپے سالانہ

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
لمعات	ادارہ	4
پرویز صاحب کا نظریۂ اسلامی مملکت (قسط نہم)	منظور حسین لیل	6
روزوں کا مقصود و منتہیٰ	غلام احمد پرویزؒ	13
پرستش و اطاعت کے درمیانی فاصلے	خواجہ ازہر عباس	20
اسماء الحسنیٰ۔۔۔اللہ کے رنگ	ڈاکٹر سنبل	26
قرآنی معاشرہ	عمر احمد عثمانی مرحوم	29
باب المراسلات	ڈاکٹر انعام الحق	33

ENGLISH SECTION
Ramadan - Time to Unplug From the Matrix — By Dr. Mansoor Alam — 47

Surah Al-Mutaffifin (سورۃ المطففین) -*Durus-al-Qur'an* By G.A.Parwez
Parah 30, Chapter 19 Translated by: Dr. Mansoor Alam — 52

Idara Tolu-e-Islam Bank Account National Bank of Pakistan

For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465-22-003082-7

For International Transactions
IBAN: Pk21 NBPA 0465 0022 0003 0827
Swift Code: NBPAPKKAA02L

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ نمبر 2، لاہور۔ 54660، (پاکستان) فون: 042-35714546
idarati@gmail.com www.facebook.com/Talueislam

اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

طلوعِ اسلام

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو، زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے
پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے
مکاں فانی، مکیں آنی، ازل تیرا، ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو، جاوداں تو ہے
حنا بندِ عروسِ لالہ ہے خونِ جگر تیرا
تری نسبت براہیمی ہے، معمارِ جہاں تو ہے
تری فطرت امیں ہے ممکناتِ زندگانی کی
جہاں کے جوہرِ مضمر کا گویا امتحاں تو ہے
جہانِ آب و گل سے عالم جاوید کی خاطر
نبوت ساتھ جس کو لے گئی وہ ارمغاں تو ہے
یہ نکتہ سرگزشتِ ملتِ بیضا سے ہے پیدا
کہ اقوامِ زمینِ ایشیا کا پاسباں تو ہے
سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

(بانگِ درا۔ علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

ادارہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لمعات

حکمران طبقہ اور ان کے اہل و عیال

(قرآن کی روشنی میں)

حضرت عمرؓ کے مطابق سربراہانِ مملکت کا احتساب ان کی ذات تک محدود نہیں ہونا چاہئے اس میں ان کے اہل و عیال بھی برابر کے شریک ہونے چاہئیں۔ قرآن کریم نے جو بعض بیوی بچوں کو انسان کا دشمن (64:14) اور مال اور اولاد کو فتنہ (64:15) کہا ہے تو یہ خطرناک گھاٹی انؓ کی نگاہوں سے اوجھل نہیں تھی۔ چنانچہ آپؓ کا دستور تھا کہ:

> جب لوگوں کو کسی بات سے منع کرتے تو اپنے گھر والوں کو جمع کر کے ان سے کہتے کہ میں نے لوگوں کو فلاں فلاں چیز سے منع کیا ہے۔ یاد رکھو! لوگ تمہاری طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں جس طرح پرندہ گوشت کی طرف دیکھتا ہے۔ اگر تم بچو گے تو وہ بھی بچیں گے اور اگر تم پھنسو گے تو وہ بھی پھنسیں گے۔ اگر تم میں سے کسی شخص نے ان باتوں کا ارتکاب کیا تو خدا کی قسم! میں اپنے ساتھ تمہارے تعلق کی وجہ سے تمہیں دُگنی سزا دوں گا۔ اب تمہیں اختیار ہے، جو چاہے حدود سے تجاوز کرے، جو چاہے ان کے اندر رہے۔

اور یہ ''دُگنی سزا'' کا فیصلہ قرآن کریم کے اس ارشاد کے مطابق تھا جس میں نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہراتؓ سے کہا گیا تھا کہ یاد رکھو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ تم میں سے جو کسی جرم کی مرتکب ہوگی اسے دُگنی سزا ملے گی (33:30) حضرت عمرؓ نے اپنے ارشادِ گرامی سے اس نکتہ کی وضاحت کر دی کہ قرآن کا وہ حکم، مملکت اسلامیہ کے ہر سربراہ پر یکساں عائد ہوتا ہے۔

یہ تھا مملکت کی ذمہ داریوں کا احساس جس کے پیشِ نظر آپ نے مصر کے قاصد (حضرت) معاویہ بن خدیجؓ سے کہا تھا کہ تم نے خیال کیا کہ دوپہر کا وقت ہے۔ امیر المومنین اس وقت قیلولہ فرما رہے ہوں گے۔ معاویہؓ! جس کے ذمے مملکت کے فرائض ہوں، دن تو ایک طرف اسے رات کے وقت بھی نیند نہیں آ سکتی۔

ہم نے خلیفۂ راشد حضرت عمرؓ کے الفاظ اور قرآنِ کریم کی متعلقہ آیات کے حوالے اس لئے درج کر دیئے ہیں کہ سابق چیف جسٹس چوہدری محمد افتخار صاحب نے اپنے بیٹے کی مبینہ کرپشن کے ضمن میں کیس کی پہلی سماعت میں ریمارکس دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ وہ فیصلہ ''قرآنِ کریم'' کی روشنی میں دیں گے۔ یقین جانئے اگر ہماری عدالتوں میں فیصلے صرف اور صرف قرآن کریم کی روشنی میں ہونے لگیں تو اس ملک کو جنت نظیر اور بہشت مثال بننے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزم طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	200/-	سورۃ النمل	(27)	280	300/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورہ القصص	(28)	334	350/-
سورۃ البقرہ (اول)	(2)	500	400/-	سورہ عنکبوت	(29)	388	350/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	400/-	سورہ روم، لقمان، السجدہ	(30,31,32)	444	400/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	400/-	سورہ احزاب، سبا، فاطر	(33,34,35)	570	400/-
سورۃ النساء	(4)	870	700/-	سورہ یٰسین	(36)	164	150/-
سورہ النحل	(16)	334	300/-	سورہ الصّٰفّٰت، ص، زمر	(37,38,39)	450	400/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	----	سورۃ مومن، حٰمٓ سجدہ، سورہ شوریٰ	(40,41,42)	624	550/-
سورۃ الکہف و سورہ مریم	(18-19)	532	----	سورۃ زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمدؐ	(43-44-45 46-47)	520	500/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	350/-	سورۂ الفتح، الحجرات، قٓ، الذاریات، الطّور، النجم	(48-49-50 51-52-53)	550	500/-
سورۃ الانبیآء	(21)	336	300/-	سورۂ القمر، الرحمٰن، واقعہ، الحدید	(54-55 56-57)	384	400/-
سورۃ الحج	(22)	380	350/-	28 واں پارہ (مکمل) مجادلہ، حشر، ممتحنہ، صف، جمعہ، منافقون، تغابن، طلاق، تحریم	(58-59-60-61-62-63-64-65-66)	300	300/-
سورۃ المؤمنون	(23)	408	400/-				
سورۃ النور	(24)	264	350/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	400/-
سورۃ الفرقان	(25)	389	350/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	400/-
سورۃ الشعرآء	(26)	454	400/-	شرح جاوید نامہ	----	800	1000/-

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) 25 بی، گلبرگ 2، لاہور فون نمبر: +92 42 3571 4546 +92 321 4460 787

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

ماہنامہ طلوعِ اسلام کا سالانہ زرِ شرکت

سالانہ زرِ شرکت اندرونِ ملک -/550 روپے، بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک -/800 روپے

بیرونِ ملک -/2500 روپے، بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک -/5000 روپے

Bank Account Idara Tolu-e-Islam (National Bank of Pakistan Main Market, Gulberg Lahore)

For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465-22-003082-7

For International Transactions
IBAN: Pk21 NBPA 0465 0022 0003 0827

ملک منظور حسین لیل۔ بھکر
0332-7636560
mhleeladv@yahoo.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(قسط نہم)

پرویز صاحب کا نظریۂ اسلامی مملکت

(قرآنی حکومت)

اور جو لوگ ما انزل اللہ (قرآن) کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے، وہی لوگ کافر، ظالم، فاسق ہیں (5:44-45-47)

نظامِ سیاست

اسلامی نظامِ مشاورت اور مغربی جمہوریت:

طلوعِ اسلام اپریل 1979ء۔ص۔ 47، پر مغربی جمہوریت کے مقابلے میں اسلامی نظامِ مشاورت پر تبصرہ کیا گیا ہے کہ اسلامی مملکت میں جزئی قوانین، جو کہ ابدی اور غیر متغیر نہیں ہو سکتے بلکہ حالات کے مطابق تبدیل کئے جا سکتے ہیں، قرآن کریم کے غیر متبدل اصول و اقدار کی حدود میں رہتے ہوئے وضع کئے جائیں گے۔ ''یہاں سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان جزئی قوانین کا تعین کس طرح کیا جائے گا؟۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے خود ہی طے فرما دیا کہ یہ کچھ جماعتِ مومنین کے باہمی مشورے سے کیا جائے گا۔۔ آپ غور فرمایئے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے نظامِ مشاورت کا تصور ہی نہیں، اس کے قیام کا حکم دینا کیسی عظیم حکمتِ بالغہ ہے۔ (ضمناً) آج کل عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ مغربی نظامِ جمہوریت کے دلدادہ اس نظام کی تائید میں قرآن کے نظامِ مشاورت کو بطور سند پیش کر دیتے ہیں۔۔ انہیں کون بتائے کہ قرآن کے نظامِ مشاورت اور مغرب کے جمہوری نظام میں کفر اور اسلام کا فرق ہے۔ قرآن کے نظامِ معاشرت میں یہ مشاورت قرآن کی قائم کردہ غیر متبدل حدود کے اندر رہتے ہوئے ہی کارفرما ہو سکتی ہے۔ لیکن مغربی نظامِ جمہوریت میں قانون سازی کے اختیارات پر کسی قسم کی حدود و قیود عائد نہیں ہوتے۔ اس میں اکثریت کا فیصلہ حق قرار پاتا ہے۔ یہاں ایک بڑا بصیرت افروز نکتہ سامنے آتا ہے۔ سورہء انعام کی دو آیات پہلے درج کی جا چکی ہیں یعنی آیت (6:115) جس میں یہ کہا گیا ہے کہ خدا کے سوا کوئی حاکم تسلیم نہیں کیا جا سکتا اور اس نے اپنی حاکمیت کے لئے مفصل کتاب نازل کر دی ہے۔ اس کے ساتھ آیت (6:116) میں کہا گیا ہے کہ یہ کتاب مکمل بھی ہے اور غیر متبدل بھی۔

اتباعِ اکثریت کا امتناع:

ازاں بعد خدائے سمیع و علیم نے فرمایا: (مفہوم) ''اگر تو اکثریت کا اتباع کرنے لگ جائے تو وہ تجھے خدا کے راستے سے

گمراہ کردے گی۔ جو لوگ (وحی کی قیود کو اپنے اوپر عائد نہیں کرتے) وہ حق وصداقت کی نہیں بلکہ ظن وقیاس کی پیروی کرتے ہیں'' (6:117)۔ آپ دیکھئے کہ خدائے سمیع وعلیم نے کس طرح چودہ سو سال پہلے موجودہ دور کے نظامِ جمہوریت کو باطل اور گمراہ کن قرار دے دیا۔ بلا حدود وقیود قانون سازی کا اختیار صرف خدا کو حاصل ہے۔ انسانوں کو اس قسم کے اختیارات کا حامل تسلیم کر لینا انہیں مقامِ الوہیت عطا کر دینا ہے جو شرکِ عظیم ہے۔ قرآن حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے مشاورت کی اجازت دیتا ہے۔''۔ (بات اکثریت یا اقلیت کی نہیں، بات قرآن کریم کی حدود کے اندر رہتے ہوئے رائے دینے اور فیصلے کرنے کی ہے۔ یہ درست ہے کہ اکثریت کی رائے صحیح ہو سکتی ہے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ (کم پڑھے لکھے افراد کی) اکثریت کے مقابلے میں کسی ایک (زیادہ عالم فاضل) شخص کی رائے صحیح ہو۔ مشاورت کے عمل میں، بحث ومباحثے کا بنیادی نکتہ اور آخری فیصلہ یہ ہوگا کہ کہیں یہ سب کچھ قرآن کریم سے متصادم تو نہیں ہے؟۔ مؤلف)۔

حق، حق ہے:

طلوعِ اسلام ستمبر 1973ء، ص:13: ''قرآن کریم کی رو سے حق، حق ہوتا ہے، خواہ اس کی تائید میں ایک آواز بھی نہ اٹھے۔ اور باطل، باطل، خواہ اس کے حق میں ساری دنیا ہو۔ جب نبی اکرم ﷺ نے پہلی مرتبہ حق کی آواز بلند کی کہ (انا) اول المسلمین (39:12) تو یہ حق کی آواز تھی۔ حالانکہ اس وقت (دورِ حاضر کی اصطلاح کے مطابق) اس آواز کا (Second) کرنے والا بھی ہنوز کوئی نہ تھا۔ اور اکثریت ہی نہیں بلکہ) ساری دنیا اس کے خلاف تھی۔ اکثریت، کو معیارِ حق وباطل قرار دینا، مغربی نظامِ جمہوریت کا وضع کردہ تصور ہے، جو یکسر باطل اور اسلام کی نقیض ہے۔ قرآن کریم کی رو سے معیارِ حق وباطل، خدا کی کتاب ہے اور کفر وایمان میں خطِ امتیاز۔ ارشادِ خداوندی ہے: ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولیک ھم الکافرون (۵/۴۴)۔ جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلے نہیں کرتے، وہی کافر ہیں۔''

کنٹرولڈ ڈیما کریسی:

یہاں پرویز صاحب ایک بار پھر مغربی جمہوریت، جسے آج دنیا کا بہترین نظامِ مشاورت سمجھا جاتا ہے، کو سامنے لاتے ہیں اور اسلام کے نظامِ مشاورت کے ساتھ اس کا موازنہ کرتے ہیں:۔ ''یورپ نے، ملوکیت اور تھیا کریسی سے تنگ آکر، جمہوریت (ڈیما کریسی) کا نظام وضع کیا اور اس کے حق میں ایسی ڈگڈگی بجائی کہ ساری دنیا اسے آیۂ رحمت سمجھنے لگ گئی۔ ان کی دیکھا دیکھی، مسلم اقوام نے بھی اسے اپنے ہاں رائج کر لیا اور طرفہ تماشہ یہ کہ اسے عین مطابقِ اسلام قرار دے دیا۔ چنانچہ آج اس نظریہ کو مسلّمہ کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ ''جمہوریت عین اسلام'' ہے۔ بلکہ یہ کہ جمہوریت کی طرح ہی اسلام نے ڈالی تھی۔ یہ تصوّر غلط اور یکسر اسلام کے خلاف ہے۔ مغربی جمہوریت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ اقتدارِ مطلق (Sovereignty) عوام کو حاصل ہے۔ عوام کے نمائندے جس قسم کا جی چاہے قانون مرتب کر سکتے ہیں، انہی کا فیصلہ حرفِ آخر ہے۔ ان سے بالا کوئی اتھارٹی نہیں۔ یہ سیکولرازم ہے جو اسلام کی نقیض ہے۔ اسلام میں اقتدارِ اعلیٰ کسی ایک

ملک کے عوام یا ان کے نمائندگان تو ایک طرف، پوری نوعِ انسان کو بھی حاصل نہیں۔ اقتدارِ مطلق صرف خدا کو حاصل ہے اور اسلامی نظام (یعنی اُمت کے نمائندگان) کتاب اللہ کی حدود کے اندر رہتے ہوئے قوانین مرتب کر سکتے ہیں۔ مغربی اندازِ جمہوریت اور اسلام کے نظامِ مشاورت میں یہ بنیادی فرق ہے جسے کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ اسلامی نظام کو آپ ''کنٹرولڈ ڈیماکریسی'' کہہ سکتے ہیں۔ یعنی وہ جمہوریت جس پر قرآن کا کنٹرول ہو۔''

ضوابط کی پابندی:

(مغربی) جمہوریت پر کسی قسم کی قدغن کو غلط اور انسانی حقوق کی خلاف ورزی سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ انسانی اعمال کو Regulate کرنے کے لئے ان پر قدغن لگانا کوئی غیر مفید کام نہیں۔ انسان اپنے آغاز ہی سے اپنے اعمال ونظریات کو کنٹرول کرنے کے لئے (معاشرت، شادی، غمی، معاشیات، سیاسیات وغیرہ کے) اصول وقوانین (آئین) وضع کرتا، اُن میں تبدیلیاں کرتا اور اُن پر عمل کرتا چلا آرہا ہے۔ اُن اصول وقوانین کی خلاف ورزی کو غلط، ناجائز، باطل اور قابلِ سزا جبکہ اُن کی عدم خلاف ورزی کو صحیح، جائز، حق اور قابلِ جزا مانا جاتا رہا ہے۔ (اگرچہ عملاً انتخابات کے موقع پر بہت سے قواعد وضوابط نافذ کئے جاتے ہیں جن پر پورا نہ اُترنے والوں کو انتخابات میں حصہ لینے کے لئے نااہل قرار دیا جاتا ہے مثلاً آئینِ پاکستان کا آرٹیکل نمبر 62۔63) لیکن نظری طور پر جمہوریت پر کسی قسم کی قدغن کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی سمجھا جاتا ہے!۔ آخر جمہوریت پر کیوں نہ کسی ایسی اتھارٹی کا کنٹرول ہو جو سب سے اعلیٰ، خامیوں سے پاک ہو اور (Infallible) ہو۔

جمہوریہء شورائیہ:

اسی سلسلے میں پرویز صاحب نے ایک اصطلاح وضع کی ہے جسے وہ ''جمہوریہء شورائیہ'' کہتے ہیں۔ جون 1977ء کے طلوعِ اسلام کا صفحہ نمبر 25 ملاحظہ ہو، جہاں وہ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں:۔ ''اُمت اپنے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق، خود تجویز کرے کہ اس مشاورت کے لئے عملی اسکیم کون سی اختیار کرنی چاہیئے۔ اس اعتبار سے یہ نظام ''جمہوریہء شورائیہ'' کہلا سکے گا۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جمہور کو جملہ اختیارات، قرآن کریم کی حدود کے اندر رہتے ہوئے حاصل ہوں گے۔ وہ نہ تو ان حدود میں کمی بیشی کر سکیں گے اور نہ ہی ان سے تجاوز۔ اس میں ''تھیاکریسی'' کا شائبہ نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اس مملکت میں کسی کو خدائی اختیارات حاصل نہیں ہوں گے۔ یہ صرف احکامِ خداوندی کو نافذ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔''

جمہوری نظام کے اساسی اصول:

طلوعِ اسلام ستمبر 1973ء، ص:29:۔ ''مغرب کے جمہوری نظام (ڈیماکریسی) کے بنیادی اصول حسب ذیل ہیں:

(1) اقتدار کا سرچشمہ عوام ہیں اور ان کے اس اقتدار پر کسی اور کا کنٹرول نہیں۔ عوام کو اقتدارِ مطلق حاصل ہے۔ (Demo-cracy) کے معنی ہی عوام کی حکومت ہیں۔

(2)۔ اس نظام میں عوام اپنے حاکم آپ ہوتے ہیں۔ اس لئے حاکم اور محکوم میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اس میں یہ تفریق

ہی مٹ جاتی ہے۔

(3)۔عوام اپنے اس اقتدار کو اپنے نمائندگان کے ذریعے بروئے کار لاتے ہیں۔

(4)۔ان نمائندگان کی اکثریت کے فیصلے، یعنی وہ آئین یا قوانین جنہیں وہ وضع کر دیں، حرفِ آخر ہوتے ہیں جن کے خلاف کہیں اپیل نہیں ہوسکتی۔البتہ یہ نمائندے اپنے فیصلوں کو جب بھی چاہیں خود بدل سکتے ہیں۔

(5)۔عوام کے یہ نمائندے دو گروہوں میں بٹ جاتے ہیں۔جو گروہ اکثریت میں ہوتا ہے، وہ سیاہ وسفید کا مالک ہوتا ہے۔جو اقلیت میں رہ جاتا ہے اس کا مسلک اکثریت کی مخالفت کرنا اور ایسے حالات پیدا کرنا ہوتا ہے جن کی رو سے وہ اقلیت میں تبدیل ہو جائیں اور اس طرح اقتدار ان سے چھن کر ان کے ہاتھ میں آ جائے۔

(6)۔برسرِ اقتدار (اکثریتی) پارٹی جو کچھ جی میں آئے کرے۔اُسے اس مدت سے پہلے جس کے لئے عوام نے انہیں اپنا نمائندہ منتخب کیا تھا۔خود عوام بھی برطرف نہیں کر سکتے بجز اس کے کہ وہ اکثریت میں نہ رہیں۔

مغرب کے اربابِ فکر ونظر اس نظام کے عملی تجربہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ نظام ایسے مفروضوں پر مبنی ہے جن کا یا تو وجود ہی کوئی نہیں اور یا، جو یکسر باطل ہیں۔قبل اس کے کہ ہم ان اربابِ علم ودانش کے نتائجِ فکر کو سامنے لائیں، یہ دیکھنا ضروری ہے کہ مغرب نے اس نظام کو وضع اور اختیار کن حالات میں کیا تھا۔

یورپ کا انقلاب:

اقوامِ یورپ استبداد کی چکی کے دو پاٹوں میں بُری طرح پس رہی تھیں۔یعنی ملوکیت کی قہرمانی اور اربابِ کلیسا کی تھیا کریسی۔۔تھیا کریسی کا نظریہ سینٹ پال کا وضع کردہ ہے۔ جس نے کہا تھا کہ حقِ حکومت صرف خدا کو حاصل ہے لیکن اس نے اپنا یہ حق کلیسا (پادریوں) کو تفویض کر دیا ہے۔اب یہ خدا کے نام پر جو جی میں آئے کریں۔ جب کلیسا اور رومن شہنشاہیت میں گٹھ جوڑ ہوا تو یہی اختیاراتِ خداوندی شہنشاہوں کی طرف منتقل ہو گئے۔لیکن ان پر کنٹرول کلیسا ہی کا رہا۔لوتھر نے اپنی اصلاحی تحریک سے کلیسا کے فولادی شکنجے کو یہ کہہ کر توڑ ڈالا کہ انجیل کے سمجھنے کا حق ہر فرد کو حاصل ہے نہ کہ صرف چرچ کو۔لیکن اس سے نظامِ حکومت کا مسئلہ حل نہ ہوسکا۔کیونکہ انجیل میں

حکومت اور سیاست کے متعلق کوئی قانون ہی نہیں دیا گیا۔لہٰذا، حکومت کا استبداد بدستور قائم رہا۔اس صورتِ حالات سے تنگ آ کر فرانس میں ایک انقلاب برپا ہوا جس کا نتیجہ روسو کا نظریہء حکومت تھا۔اس نظریہ کی رو سے کہا یہ گیا کہ حقِ اقتدار نہ بادشاہوں کو حاصل ہے، نہ کلیسا کے خدائی نمائندوں کو۔اقتدار کا سرچشمہ عوام ہیں۔یوں نظامِ جمہوریت کا ابتدائی تصور سامنے آیا اگرچہ اس کا اساسی تصور مفکرینِ یونان نے بہت پہلے پیش کیا تھا۔ملوکیت اور کلیسا کے استبداد کی چکی میں پسنے والی انسانیت نے اس نظریہ کو نجات دہندہ سمجھ کر نہایت جوش وخروش اور مسرت وانبساط سے اس کا خیر مقدم کیا۔اور اسے نوعِ انسان کے لئے آیہء رحمت سمجھا۔ان تصریحات سے آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ نظریہء جمہوریت (ڈیما کریسی) کے سامنے آنے پر یہ جوش و

مسرت، درحقیقت استبدادِ ملوکیت اور قہرمانی ءمذہبی پیشوائیت سے حصولِ نجات پر منفیانہ ردِعمل تھا، نظامِ جمہوریت کی کامیابی پر مثبت اظہارِ تشکر نہیں تھا۔ اس نظام پر تو ابھی تجربہ بھی نہیں ہوا تھا۔ اس کے عملی تجربہ کے بعد مفکرینِ مغرب جس نتیجہ پر پہنچے ہیں، اس ضمن میں، میں اپنی کتاب ''انسان نے کیا سوچا؟'' کے ایک باب میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔'' اس کے بعد، پرویز صاحب نے مغرب کے مختلف مفکرین کے مزید حوالہ جات پیش کر کے مغربی جمہوریت کو ناکام اور قرآنی نظام کو کامیاب ثابت کیا ہے (مئولف)۔

اسلامی نظامِ مشاورت:

''معراجِ انسانیت''۔ باب ''نظامِ مملکت'':۔ یہاں پرویز صاحب مشاورت کے اسلامی اور مغربی اصولوں کا موازنہ بھی پیش کرتے ہیں تاکہ قرآن کریم اور مغرب کے اصولِ مشاورت کو گڈمڈ کرنے سے کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ:۔۔۔ ''واضح رہے کہ اس مشاورت اور دورِ حاضرہ کے جمہوری آئین میں بنیادی فرق ہے۔ دورِ حاضر کی جمہوریت میں، قانون بنانے والی اتھارٹی (خواہ وہ نمائندگانِ قوم پر مشتمل پارلیمان ہو، یا اس پارلیمان کی مقرر کردہ کوئی اور جماعت) اس بات کا پورا پورا اختیار رکھتی ہے کہ وہ جس قسم کے چاہے قوانین بنائے اور جن قوانین کو چاہے منسوخ کر دے یا ان میں ردوبدل کر دے۔۔ اس کے برعکس، اسلامی جمہوریت میں، قانون سازی کا اختیار، بلا حدود و قیود نہیں ہوتا۔۔ اس میں مجلسِ قانون ساز، قرآن کی حدود کے اندر رہتے ہوئے ہی قوانین بنا سکتی ہے۔ وہ نہ ان حدود سے تجاوز کر سکتی ہے نہ ان میں کسی قسم کا ردوبدل کر سکتی ہے۔ اسلامی نظام میں اس ''مشاورت'' کا طریقِ کار کیا ہوگا، اسے ملتِ اسلامیہ اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق خود طے کر سکتی ہے۔''

اسلام کا مغربی جمہوریت سے تقابل:

طلوعِ اسلام ماہ اکتوبر، نومبر 1977ء کے لمعات (اداریہ) میں اختصار کے ساتھ اسلام کا تقابل مغربی جمہوریت سے کیا گیا ہے۔ جس سے اسلام کا دوسرے نظاموں کے مقابلے میں فرق سامنے آتا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ:۔ ''ہمارے ہاں کہا یہ جاتا ہے کہ ہم مغرب کے جمہوری نظام کے نہیں بلکہ اسلامی جمہوریت کے داعی ہیں۔ اس پیوندسازی میں ''اسلام'' سے مراد مروّجہ مذہب ہوتا ہے۔ اور جمہوریت سے مقصود بہرحال مغرب کا جمہوری نظام۔ ان دونوں کے امتزاج سے جو ملغوبہ تیار ہوتا ہے وہ ہمارے امراض کا اصلی سبب ہے۔ خالص (سیکولر) جمہوری نظام کفر ہی سہی، پھر بھی اپنے کچھ نتائج تو مرتب کر دیتا ہے۔۔ لیکن جب اس کے ساتھ مذہب کا پیوند لگا دیا جائے تو صورت وہ پیدا ہو جاتی ہے جس کے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے کہ:۔ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ ''کیا تم کتابِ خداوندی کے ایک حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور اس کے دوسرے حصے سے انکار کرتے ہو'' ۔۔ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ (2:85)۔ ''یاد رکھو! جو بھی کفر و ایمان میں اس قسم کی پیوندسازی کرے گا اس کا لازمی

نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اس دنیا میں ذلیل وخوار ہوگا اور قیامت کے دن شدید ترین عذاب میں مبتلا۔ ہم اسی عذاب میں مبتلا ہیں۔۔۔ذیل میں اس اجمال کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔مغربی جمہوریت کے عناصرِ ترکیبی حسب ذیل ہیں:

(1)۔ایک خطہء ارض (یا مملکت) کے اندر بسنے والے تمام افراد، بلا لحاظ عقیدہ و مذہب، ایک قوم تسلیم کئے جاتے ہیں۔(2)۔اس قوم میں سیاسی اختلافات کی بناء پر مختلف سیاسی پارٹیاں وجود میں آتی ہیں۔(3)۔یہ سیاسی پارٹیاں انتخاب لڑتی ہیں، اور اکثریت کی پارٹی برسر اقتدار آجاتی ہے۔یہ ظاہر ہے کہ چونکہ اس پارٹی کا سیاسی نصب العین متعین ہوتا ہے اس لئے اس کے ارکان میں وحدتِ فکر وعمل ہوتی ہے۔ہم آہنگ افراد کے بغیر نہ کوئی پارٹی وجود میں آسکتی ہے نہ قائم رہ سکتی ہے۔(4)۔پارلیمان میں، برسر اقتدار پارٹی کے بالمقابل، اس کی حریف پارٹی موجود رہتی ہے۔بالفاظِ دیگر، ایوان میں حزبِ اقتدار کے ساتھ حزبِ اختلاف کا وجود ناگزیر ہوتا ہے۔(5)۔مجلسِ قانون ساز (پارلیمان) افرادِ مملکت کے مذہبی عقائد و مسالک و رسومات سے کچھ واسطہ نہیں رکھتی۔اور مختلف فرقوں کو شخصی قوانین (پرسنل لاز) کی آزادی حاصل ہوتی ہے۔۔۔یعنی اس میں مذہب کو سیاست سے الگ رکھا جاتا ہے۔(6)۔امورِ مملکت کے فیصلے پارلیمان کی اکثریت، بلا حدود و قیود، کرسکتی ہے۔یہ فیصلے ملکی قوانین (پبلک لاز) کی حیثیت سے ملک میں نافذ ہوتے ہیں اور ان کا اطلاق تمام افرادِ مملکت پر یکساں ہوتا ہے۔(7)۔برسرِ اقتدار پارلیمان، ان قوانین میں، جب چاہے، ردوبدل بھی کرسکتی ہے۔اور ترمیم وتنسیخ بھی۔ اس نظام میں کوئی عنصر غیر متبدل نہیں ہوتا۔ہر معاملہ میں اکثریت کا فیصلہ قولِ فیصل ہوتا ہے۔

اس کے برعکس، قرآنی نظام کے عناصرِ ترکیبی حسبِ ذیل ہوتے ہیں:

(1)۔قومیت کا معیار، وطن کا اشتراک نہیں بلکہ ایمان (دین) کا اشتراک ہے۔۔اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک خطہء ارض (یا مملکت) کے اندر بسنے والے مسلم اور غیر مسلم ایک قوم

کے افراد قرار نہیں پاسکتے۔مسلم قوم کے افراد صرف مسلم ہو سکتے ہیں۔اسے امتِ مسلمہ کہہ کر پکارا جاتا ہے۔۔۔

(2)۔امتِ مسلمہ، امتِ واحدہ ہوتی ہے۔یعنی نہ اس میں کوئی مذہبی فرقہ ہوتا ہے، نہ سیاسی پارٹیاں۔(4)۔اس امت کی مملکت میں، قانون سازی کا اختیار کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔جملہ قوانین، اصول واقدار وحدود کی شکل میں، خدا کے مقرر کردہ اور اس کی کتاب (قرآن مجید) کے اندر منضبط اور محفوظ ہیں۔ان میں نہ کوئی ردوبدل کرسکتا ہے، اور نہ ہی حک و اضافہ۔۔۔(4)۔مملکت کا فریضہ، قرآن مجید کے ان غیر متبدل اصول واقدار کو ملک میں عملاً نافذ کرنے کی تدابیر اور طریقے وضع کرنا ہوتا ہے۔۔۔جب یہ اصول واقدار، ان طریقوں کے مطابق نافذ ہوں تو انہیں اسلامی شریعت یا اسلامی قوانین کہا جاتا ہے۔ان کا اطلاق تمام مسلمانوں پر یکساں ہوتا ہے اور ان میں پرسنل لاز اور پبلک لاز میں تفریق نہیں ہوتی۔۔یہ اصول واقدار تو ہمیشہ غیر متبدل رہتے ہیں لیکن ان کے نافذ کرنے کے طور طریقے عند الضرورت بدلے جاسکتے ہیں۔۔۔جب ہم

کہتے ہیں کہ اسلام میں ''دین اور سیاست'' میں کوئی فرق نہیں تو اس کا عملی مفہوم یہی ہوتا ہے۔ ''دین''، کتاب اللہ کے اصول و احکام اور ''سیاست'' انہیں نافذ کرنے کے طور طریقے۔(5)۔ یہ طور طریقے، امت (مسلم افرادِ مملکت) کے باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں۔ اس ''مشورہ'' کے لئے، اپنے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق، کوئی سا طریقہ بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔۔۔ جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے، چونکہ امت میں نہ کوئی سیاسی پارٹی ہوتی ہے نہ مذہبی فرقہ، اس لئے مجلسِ مشاورت کے اراکین کے انتخاب کا معیار، قرآنی نقطۂ نگاہ سے، اہلیت اور صلاحیت ہوتا ہے اور بس۔(6)۔ اس مجلسِ مشاورت (یا پارلیمان) میں نہ حزبِ اقتدار نہ حزبِ اختلاف۔ نہ ہی اس میں اقتدار کسی خاص طبقہ کو حاصل ہوتا ہے۔۔۔ اقتدار (یعنی قوانینِ خداوندی کے نافذ کرنے کے اختیار) میں ساری امت برابر کی شریک ہوتی ہے۔ اور برابر کی ذمہ دار۔۔ اور ان قوانین کا اطلاق بھی تمام افرادِ مملکت پر یکساں ہوتا ہے۔۔۔ تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے۔۔۔ کا یہی عملی مفہوم ہے۔۔ اس پورے کے پورے نظام کو ''اَلَّذِیْنَ'' یا آج کل کی اصطلاح میں ''اسلامی نظامِ مملکت'' کہا جائے گا۔ اگر اس کے، مذکورہ بالا، اجزائے ترکیبی میں سے کسی ایک جزو کی بھی کمی ہو جائے گی، یا اس میں ردوبدل کیا جائے گا تو وہ نظام ''اَلَّذِیْنَ'' یا ''اسلامی'' نہیں رہے گا۔ عہد مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ میں یہی نظام رائج تھا۔ آپ غور کیجئے! کہ اس نظام اور مغرب کے جمہوری نظام میں کوئی بھی قدرِ مشترک ہے؟۔ قدرِ مشترک تو ایک طرف، یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔''

دونوں کا فرق:

طلوعِ اسلام اگست 1980ء، ص:12:۔ ''اگر امت، باہمی مشاورت سے، قرآن مجید کے ابدی اور غیر متبدل اصول و اقدار کے حدود کے اندر رہتے ہوئے امورِ مملکت کے فیصلے کرے تو یہ اسلامی جمہوریت ہوگی۔ (اگرچہ مناسب یہی ہے کہ اس کے لئے جمہوریت کی اصطلاح استعمال نہ کی جائے)۔ اور اگر ان حدود و قیود کے بغیر فیصلے کئے جائیں تو وہ مغربی جمہوریت ہو گی۔ اسے سیکولر نظامِ حکومت کہتے ہیں جو قرآنی نظام کی ضد ہے۔ دو باتیں یاد رکھئے!۔ ایک تو یہ کہ اسلامی مملکت (استخلاف فی الارض) پوری کی پوری امت کی ہوتی ہے۔ کسی فرد یا افراد کے کسی گروہ کا اس پر اجارہ نہیں ہوتا۔ اور مملکت پابند ہوتی ہے قرآنی حدود کی جو، ابدی اور غیر متبدل ہوتی ہیں۔''

جمہوریت بطور دین:

اسے مسلمانوں کی بدقسمتی ہی کہئے کہ آج (مغربی) جمہوریت ایک ''دین'' کی حیثیت اختیار کر چکی ہے جس پر ہم (حتیٰ کہ ہمارے مذہبی راہنمایان تک) فریفتہ نظر آتے ہیں (مؤلف)۔

(جاری ہے)

غلام احمد پرویزؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

روزوں کا مقصود و منتہیٰ

(پرویز صاحبؒ کا ایک درسِ قرآنِ مجید)

عزیزانِ گرامی قدر! درسِ قرآن کے سلسلہ کے اعتبار سے آج سورۃ النمل کی اگلی آیت سے سلسلۂ کلام شروع ہونا چاہئے تھا لیکن احباب کے تقاضا کے پیشِ نظر آج کا درس روزہ کے موضوع کے لئے مختص کیا جا رہا ہے۔ میں اس درس میں روزوں کے مسائل کے متعلق بات نہیں کروں گا۔ یہ احکام سورۂ بقرہ کی تین چار آیات (2:183۔187) میں نہایت جامعیت سے بیان ہوئے ہیں' اس لئے ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ ان کے بجائے میں اس امر کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن کریم کی رو سے روزوں کا مقصد کیا ہے؟ ان کی غایت کیا ہے؟ یہ کیوں فرض قرار دیئے گئے ہیں؟

قرآنِ کریم کی ایک خصوصیت (بلکہ جہاں تک میری نگاہ کام کرتی ہے اس کی انفرادیت) یہ بھی ہے کہ یہ جب کوئی حکم دیتا ہے تو اس کے ساتھ اس کی وضاحت بھی کر دیتا ہے کہ یہ حکم کیوں دیا گیا ہے؟ اس کی غرض و غایت کیا ہے؟ اس پر عمل پیرا ہونے کا نتیجہ کیا ہوگا؟ مثلاً اس قسم کی آیات آپ کو کئی ایک مقامات پر ملیں گی:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔(4:113)

''اے رسولؐ! اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے''۔

کتاب کے معنیٰ احکام یا قوانین کے ہیں اور حکمت سے مراد' ان احکام و قوانین کی غرض و غایت۔ یہ دونوں منزل من اللہ ہیں۔ احکام کے سلسلے میں یہ انداز' عظیم حکمتِ بالغہ پر مبنی ہے۔ اگر کسی کو کوئی حکم دیا جائے لیکن اس کی غرض و غایت نہ بتائی جائے۔ یعنی اسے یہ نہ بتایا جائے کہ اسے وہ حکم کیوں دیا جا رہا ہے تو وہ اس کی تعمیل طوعاً و کرہاً کرے گا' بطیب خاطر نہیں کرے گا۔ مستبد حکومتیں اسی طرح احکام صادر اور نافذ کرتی ہیں۔ لوگ ان پر بامرِ مجبوری عمل پیرا ہوتے ہیں اور اسی لئے ان سے گریز کی راہیں تراشتے اور فرار کے طریقے سوچتے رہتے ہیں۔ اگر انہیں بتا دیا جائے کہ ان احکام کی اطاعت سے انہیں کیا حاصل ہوگا۔ اس میں خود ان کے کیا کیا فوائد مضمر ہیں تو وہ ان پر دل و دماغ کی کامل رضامندی سے عمل پیرا ہوں گے اور ان سے منحرف ہونے کا خیال تک بھی دل میں نہ لائیں گے۔ کتاب کے ساتھ حکمت کی وضاحت کی پہلی مصلحت یہ ہے۔

دوسرے یہ کہ جب آپ کو بتا دیا جائے کہ اس حکم کی تعمیل کا نتیجہ یہ ہوگا تو آپ قدم قدم پر اس کا جائزہ لیتے جائیں گے کہ اس حکم کی صحیح معنوں میں تعمیل ہو رہی ہے یا نہیں۔ اگر اس حکم کی غایت نہ بتائی جائے تو آپ اس پر بلا سوچے سمجھے مکینکی طور پر عمل کرتے رہیں گے اور کبھی یہ نہیں دیکھ سکیں گے کہ اس حکم کی تعمیل صحیح طور پر ہو رہی ہے یا نہیں۔ اور اگر آپ نے اپنے ذہن میں فرض کر لیا کہ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوگا تو آپ بڑی غلط فہمی میں مبتلا رہیں گے اور ہو سکتا ہے کہ آپ کی ساری محنت رائیگاں چلی جائے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ ڈاکٹر مریض کے لئے ایک دوائی تجویز کرتا ہے اور کہتا ہے کہ دوائی دینے کے بعد مریض کا ٹمپریچر لیتے جائیں۔ ہر گھنٹے کے بعد کم از کم ایک ڈگری بخار کم ہو جائے گا۔ آپ مریض کو دوا پلاتے ہیں اور ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق اس کا ٹمپریچر لیتے ہیں۔ اگر بخار کم ہو رہا ہے تو آپ کو اطمینان ہوگا اور آپ علاج جاری رکھیں گے لیکن اگر آپ دیکھیں کہ بخار کم نہیں ہو رہا تو آپ کو از سرِ نو جائزہ لینا ہوگا کہ یا تو مرض کی تشخیص صحیح نہیں ہوئی یا دوائی ٹھیک نہیں ملی اور یا اس کی استعمال میں آپ سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔ یہ نہیں ہوگا کہ ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق نتیجہ برآمد نہ ہو اور آپ بدستور وہی دوائی دیتے چلے جائیں۔ اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو اس کا جو نتیجہ نکل سکتا ہے ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں کوئی حکم دیا ہے اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا ہے کہ اس پر عمل پیرا ہونے سے نتیجہ کیا نکلے گا۔ اگر اس کا وہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا تو آپ کو رک کر سوچنا ہوگا کہ اس حکم کی تعمیل میں آپ سے کیا غلطی ہو گئی ہے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ آپ کی محنت رائیگاں نہیں جائے گی بلکہ اس حکم کی غلط تعمیل کے نقصانات سے بھی آپ محفوظ رہیں گے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (2:183)۔ ''اے جماعتِ مومنین! تم پر صیام فرض قرار دیئے گئے ہیں''۔ یہ ''کتاب'' یعنی حکم ہے۔ اس کی غایات کے متعلق کہا:

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (2:183)۔ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (2:185) اور وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ (2:185)۔

تَتَّقُوْنَ سے مراد یہ ہے کہ تم میں قوانینِ خداوندی کی اطاعت کے لئے پختگی پیدا ہو جائے اور تم غلط راہوں پر چلنے کے نقصانات سے محفوظ ہو جاؤ۔ تَشْكُرُوْنَ سے مقصود یہ ہے کہ تمہاری محنتیں بھرپور نتائج پیدا کر دیں۔ میں ان دو غایات کے متعلق سرِ دست تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ قرآن کریم نے جو غایت الغایات بتائی ہے اس پر مرکوز رہوں گا اور وہ غایۃً الغایات یہ ہے کہ تم خدا کے بتائے ہوئے پروگرام پر عمل کرنے سے اس قابل ہو جاؤ گے کہ دنیا میں خدا کی کبریائی قائم کر سکو۔ یہ ہے روزوں کے متعلق حکم خداوندی کا مقصود و منتہیٰ۔ یعنی خدا کی کبریائی قائم کرنے کے قابل ہو جانا:

وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ (2:185)

سب سے پہلے لفظ ''کبریائی'' کو لیجئے۔ اس کے معنی حکومت اور اقتدار کے ہیں۔ سورہ یونس میں ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ اور ان کے بھائی حضرت ہارونؑ فرعون کے پاس گئے اور اس تک خدا کا پیغام پہنچایا تو اہلِ فرعون نے کہا کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو ہم اس کی غرض و غایت کو خوب پہچانتے ہیں۔ یعنی یہ کہ وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ط (10:78)

''تمہارا مقصد یہ ہے کہ اس ملک میں حکومت تمہاری قائم ہو جائے۔ اقتدار تمہارے ہاتھ میں آ جائے''۔ اس سے لفظ ''کبریائی'' کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

جہاں تک خارجی کائنات کا تعلق ہے اس میں خدا کا اقتدار اور اس کی حکمرانی براہِ راست قائم ہے۔ تمام کارگہۂ کائنات اسی کے قوانین کے مطابق سرگرمِ عمل ہے اور اس میں کسی شے کو مجالِ انحراف نہیں' یا رائے سرکشی نہیں: وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (45:37)۔ ''کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں کبریائی خدا کی ہے۔ وہ زبردست غلبہ کا مالک ہے لیکن اس کا غلبہ مستبد حکمرانوں کا غلبہ نہیں۔ وہ سراسر حکمت پر مبنی ہے۔'' دوسری جگہ ہے: وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ۭ (43:84)۔ ''وہی آسمانوں میں بھی صاحبِ اقتدار ہے اور وہی ارض پر بھی صاحبِ اقتدار۔'' (الٰہ کے معنی صاحبِ اقتدار کے ہیں)۔

خارجی کائنات میں تو خدا کا اقتدار ازخود قائم ہے۔ لیکن اس کی مشیت کا پروگرام یہ ہے کہ انسانوں کی دنیا میں اس کی کبریائی ازخود انسانوں کے ہاتھوں قائم ہو۔ اسی مقصد کے لئے رسول بھیجے جاتے تھے اور رسول کے بعد اس کی ذمہ داری اس کی امت پر عائد ہوتی تھی۔ چنانچہ جب نبی اکرم ﷺ کو منصبِ نبوت پر سرفراز فرمایا گیا تو آپ کو حکم دیا گیا کہ يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۔ ''اے وہ کہ جس کی آمد سے خزاں دیدہ گلشنِ کائنات بہارِ نو کا مظہر بن جائے گا۔ (الْمُدَّثِّرُ کے یہی معنی ہیں)۔ قُمْ فَاَنْذِرْ ۔ ''اٹھ اور نوعِ انسان کو ان کے اپنے وضع کردہ نظام ہائے حیات کی تباہ کاریوں سے آگاہ کر دے''۔ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (74:1-2)۔ ''اور ان نظاموں کی جگہ اس نظام کو قائم کر جس میں کبریائی صرف خدا کے لئے ہو''۔۔۔ یہ تھا منصبِ رسالت۔

دوسرے مقام پر اسی حقیقت کو جن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ان کی تفصیل بڑی وسعت چاہتی ہے لیکن میں ان میں سے صرف دو ٹکڑوں کو نمایاں طور پر سامنے لاؤں گا۔ وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ ۔ ''حکومت صرف اسی کے لئے مختص ہے۔ اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا''۔ اور اس سے آگے ہے: وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ۔ (17:111) ''لہٰذا تم اس کی کبریائی قائم کرو''۔ اسی اعتبار سے خدا نے اپنے آپ کو ایک جگہ: الْمُتَكَبِّرُ ۭ (59:23) کہا ہے۔ کہیں الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ (13:9) اور کہیں: الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ (22:62)۔ ہماری دنیا میں وہ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ کیسے قرار پاتا ہے اس کی وضاحت اس نے یہ کہہ کر کر دی کہ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ (40:12)' تمہاری دنیا میں حکم صرف اس خدا کا چلنا چاہئے جو ہر قسم کے غلبہ اور کبریائی کا مالک ہے۔

اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا نہ تو ہمارے سامنے آتا ہے۔ نہ وہ تختِ حکومت پر بیٹھتا ہے۔ نہ ہم اس کی آواز سنتے ہیں۔ تو ہمارے معاشرے مین اس کی حکومت کیسے قائم ہوگی؟ اس کے لئے اس نے خود ہی بتا دیا کہ۔۔۔ اس نے ہماری طرف اپنا ضابطۂ احکام بھیج دیا ہے۔ جو حکومت اس ضابطہ کے مطابق قائم ہوگی اسے خدا کی حکومت سے تعبیر کیا جائے گا۔ چنانچہ اس نے واضح الفاظ میں بتا دیا کہ

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (5:44)۔

جولوگ خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے ان ہی کو کافر کہا جاتا ہے۔

لیکن خدا کی یہ کبریائی یونہی بیٹھے بٹھائے' وعظ ونصیحت یا تقاریر وخطابات سے قائم نہیں ہو جاتی۔ جب اس کا مقصد دنیا کے ہر نظام کو الٹ کر اس کی جگہ نظامِ خداوندی کو متمکن کرنا ہے تو ظاہر ہے کہ دنیا کی ہر قوم اور ہر حکومت کی طرف سے اس کی مخالفت ہوگی اور ہر مفاد پرست گروہ اس کی مزاحمت کرے گا۔۔۔ان مخالفتوں اور مزاحمتوں کے مقابلے کے لئے میدان جنگ تک میں بھی جانا پڑے گا۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں جماعتِ مومنین کی ان جنگوں کی غایت یہ بتائی گئی ہے:

وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ (9:40)

اس سے مقصد یہ ہے کہ ہر غیر خداوندی نظام مغلوب ہو جائے اور خدا کا نظام جسے غالب ہونے کا حق حاصل ہے' عملاً مسلط ہو جائے۔

اس سے چند ہی آیات پہلے کہا گیا ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (9:33)

خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ضابطۂ ہدایت اور حق پر مبنی نظام دے کر بھیجا تا کہ یہ نظام انسانوں کے ہر خود ساختہ نظام پر غالب آ جائے۔ خواہ یہ تبدیلی ان لوگوں پر گراں کیوں نہ گزرے جو خالص حکومتِ خداوندی قائم نہیں کرنا چاہتے۔

یہاں صرف اتنا کہا گیا ہے کہ اس نے رسول کو اس مقصد کے لئے بھیجا۔ لیکن دیگر مقامات پر اس کی وضاحت کر دی کہ نظام خداوندی کا قیام تنہا رسول کے ہاتھوں سے عمل میں نہیں آئے گا۔ اس کے لئے جماعتِ مومنین کی معاونت ورفاقت بھی ضروری ہوگی۔ یعنی یہ فریضہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ (48:29) کے ہاتھوں سرانجام پائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے الاعلیٰ اپنے آپ کو کہا تھا لیکن جس جماعتِ مومنین کے ہاتھوں اس کی کبریائی دنیا میں قائم ہوتی ہے۔ اس نے انہیں اَلْاَعْلَوْنَ کہہ کر پکارا ہے۔ چنانچہ اس نے فرمایا: وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (3:139)۔ ''اگر تم مومن ہو اور مومن رہو گے تو دنیا میں تم ہی سب پر غالب رہو گے''۔ تمہارا قائم کردہ نظام انسانوں کے ہر خود ساختہ نظام پر غالب آ جائے گا۔ اس غلبہ وتسلط کے لئے قرآن کریم نے اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کی شرط عائد کر دی ہے۔ ''یعنی اگر تم مومن ہوئے تو''۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ ہم مومن ہیں یا نہیں؟ اس کے لئے قرآن نے خود یہ واضح کر دیا کہ جو لوگ خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے وہ مومن نہیں' کافر ہیں لہٰذا مومن وہ ہیں جو خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم کرتے ہیں اور اس کی محسوس نشانی یہ ہے کہ وہ دنیا کی ہر قوم پر غالب رہتے ہیں۔ چنانچہ اس نے واضح طور پر کہہ دیا کہ:

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا (4:141)

خدا کبھی ایسا نہیں ہونے دے گا کہ غیر خداوندی نظام کی حامل قوم کو جماعتِ مومنین پر غالب آنے دے۔

لہٰذا یہ متعین کرنا بالکل آسان ہو گیا کہ ہم مومن ہیں یا نہیں؟

یہاں ایک عظیم نکتہ سامنے آتا ہے۔ خدا مومنین سے کہتا ہے کہ: اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۔ لیکن مومن اس کی عطا کردہ اس سرفرازی کے جذبۂ تشکر کے احساس سے بے ساختہ اپنا سر زمین پر رکھ دیتا ہے اور انتہائی انکساری اور خاکساری کے عالم میں کہتا ہے کہ الاعلی میں نہیں۔ سبحن ربی الاعلی۔۔ الاعلی کے شایان شان صرف تیری ذات ہے۔ یہ تو تیری عاجز نوازیاں ہیں، جو ہمیں اَلْاَعْلَوْنَ کہہ کر پکارا گیا ہے۔ یہ علو مرتبت ہماری ذاتی نہیں، تیری عطا فرمودہ ہے۔ اگر ہمارا سر تیرے سامنے نہیں جھکتا تو یہ ساری کبریائی جو ہمیں حاصل ہوئی ہے فرعون کی قہرمانیت ہے، مومن کی علوشان نہیں۔ اسی بنا پر قرآن کریم نے حق پر مبنی کبریائی اور باطل پر مبنی کبریائی میں فرق کر کے بتا دیا جب کہا:

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ (7:146)

جو لوگ الحق کے بغیر زمین میں غلبہ اور کبریائی حاصل کر لیتے ہیں، ہم اپنے قوانین کی رو سے انہیں اس مقام سے ہٹا دیں گے اور ان کی جگہ وہ قوم لے لے گی جس کی کبریائی الحق پر مبنی ہو گی۔

ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ روزوں کی غرض و غایت اور مقصود و منتہیٰ کیا تھا؟ ان کا مقصد جماعتِ مومنین کو اس کے لئے تیار کرنا تھا کہ وہ دنیا میں خدا کی کبریائی متمکن کر سکیں۔ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ صدرِ اول کی جماعتِ مومنین تیرہ برس تک مکہ کی زندگی گذارنے کے بعد مدینہ میں آئی تا کہ یہاں کی نسبتاً مساعد فضا میں نظامِ خداوندی کی بنیاد رکھ دی جائے، لیکن مخالفین نے انہیں یہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا اور مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ یہ تھا وہ مقام جب پہلی مرتبہ (2ھ میں) روزے فرض ہوئے اور ابھی سترہ دن کے روزے ہی رکھے گئے تھے کہ انہیں بدر کے میدان میں اترنا پڑا اور وہاں ان روزہ داروں نے خدا کی کبریائی کی پہلی اینٹ رکھ دی۔ آپ نے غور فرمایا کہ روزوں کی غایت کیا تھی؟۔۔۔ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ۔ خدا کے پروگرام کے مطابق ملک میں اس کی کبریائی قائم کرنا۔ اس زمانے میں مستقل فوج (Standing Army) ہنوز وجود میں نہیں آئی تھی۔ قرآنِ مجید نے تمام مومنین کو مجاہدین (فوج کے سپاہی) قرار دیا تھا۔ ایسا نظر آتا ہے کہ جس طرح آج کل مستقل فوج سے الگ۔۔۔ (Reservists) ہوتے ہیں۔ وہ اپنا اپنا کاروبار کرتے رہتے ہیں لیکن انہیں سال میں ایک آدھ ماہ کے لئے بلا لیا جاتا ہے تا کہ وہ فوجی ٹریننگ کی تجدید کر لیں اور بوقتِ ضرورت فوج کے ہمدوش میدان جنگ میں نبرد آزما ہوں۔ خدا کی کبریائی کا تمکن مومن مجاہدین کا فریضہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کا مہینہ انہیں سپاہیانہ زندگی کا خوگر بنانے کے لئے مختص کر دیا گیا تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ سے جب سوال کیا گیا کہ مومن کی زندگی کیا ہے؟ تو فرمایا کہ جب جنگ ہو رہی ہو تو وہ میدان جنگ میں ہو اور

جب جنگ نہ ہو رہی ہو تو وہ جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو۔

آپ نے دیکھا کہ مومن کی زندگی کا مقصود و منتہیٰ دنیا میں خدا کی کبریائی کو متمکن کرنا ہے اور یہی مقصد روزوں کا بتایا گیا ہے۔ اس کے لئے رمضان کے مہینے کی تخصیص کیوں کی گئی' اسے خود خدا نے یہ کہہ کر واضح کر دیا کہ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (2:185)۔ ''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں نزول قرآن کی ابتداء ہوئی۔'' قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کے لئے نعمت عظمیٰ قرار دیا ہی اور ان سے کہا ہے کہ تم ایسی عظیم متاع کے ملنے پر جشن مسرت مناؤ۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ۔(10:58)

اے رسول! ان سے کہہ دو کہ تمہیں یہ متاعِ گراں بہا بلا مزد و معاوضہ مل گئی ہے۔ اس کے ملنے پر تم جشن مناؤ۔ تم جو کچھ بھی دنیا میں جمع کرو' یہ اس سے زیادہ گراں قدر ہے۔

لہٰذا' جسے عید الفطر کہا جاتا ہے وہ درحقیقت جشنِ نزول قرآن ہے۔ قرآن' خدا کی کبریائی کا ضابطۂ ہدایت ہے اور رمضان کے مہینے کے روزے مجاہدین کو خدا کی کبریائی قائم کرنے اور مستحکم رکھنے کا پروگرام۔ اس پروگرام کے بخیر و خوبی انجام پانے پر جشن مسرت بالکل فطری عمل ہے۔

یہ تھا دین میں روزں کا مقصد۔ یعنی وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ۔ تاکہ زمین پر خدا کی حکومت قائم کی جائے لیکن جب دین' مذہب میں تبدیل ہو گیا تو قرآن کریم کے یہ الفاظ تو باقی رہ گئے لیکن ان کی غرض و غایت بالکل بدل گئی۔ آپ قرآن کریم کا کوئی سا با ترجمہ نسخہ اٹھا کر دیکھیں۔ اس میں ان آیات کا ترجمہ ان الفاظ میں ملے گا۔ ''تاکہ تم خدا کی بڑائی کرو''۔ یعنی دین میں ان الفاظ کا مفہوم' خدا کی کبریائی قائم کرنا تھا۔ مذہب میں ان کا مطلب خدا کی بڑائی بیان کرنا رہ گیا۔ کبریائی قائم کرنے اور بڑائی بیان کرنے میں جو فرق ہے وہ واضح ہے۔ اس ''بڑائی بیان کرنے'' کے حکم کی اطاعت کے متعلق کہا گیا کہ نماز عید میں جو چھ تکبیریں زائد کہی جاتی ہیں' ان سے اس حکم کی تعمیل ہو جاتی ہے۔ اذان۔ نماز اور عیدین کی تکبیریں اپنی اپنی جگہ بجا اور درست' لیکن یہ تکبیریں ایک بلند مقصد کے حصول کا ذریعہ' یا ایک واقعہ کا اعلان تھیں۔ یعنی اس واقعہ کا اعلان کہ یہاں خدا کی کبریائی قائم ہے۔ اس حقیقت کے وقوع پذیر ہوئے بغیر' اس قسم کے اعلانات صرف چند الفاظ کا اعادہ ہیں۔ حقیقت اور اس کی رسمی ادائیگی کا یہی وہ فرق تھا جس کے احساس سے اقبالؒ کے دردمند دل نے باصد آہ و فغاں کہا تھا کہ ؎

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملّا کی اذاں اور' مجاہد کی اذاں اور!

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک جہاں میں
کرگس کا جہاں اور ہے، شاہیں کا جہاں اور

یہ مجاہد کی اذان تھی جو دن میں متعدد بار چھت اور مینارہ پر کھڑے ہو کر، دنیا میں اعلان کرتی تھی کہ

اللہ اکبر

کبریائی صرف خدا کے لئے ہی مختص ہے۔ اس میں کوئی اور شریک نہیں ہو سکتا اور اس کے بعد وہ اعلان کرتا تھا کہ:

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ

میرا یہ اعلان اس حقیقت کی شہادت دیتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی صاحبِ اقتدار نہیں۔ آپ نے کبھی اس پر بھی غور فرمایا کہ اس اعلان میں یہ نہیں کہا گیا کہ میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں یا اعلان کرتا ہوں۔ کہا یہ گیا کہ میں اس حقیقت کی ''شہادت دیتا ہوں''۔ شہادت اسی کی قابلِ قبول ہوتی ہے جسے اس بات کا ذاتی طور پر علم ہو۔ جو اس کا عینی شاہد ہو۔ اگر کوئی شخص عدالت میں جا کر یہ کہے کہ مجھے اس واقعہ کا ذاتی طور پر تو علم نہیں۔ میرا خیال یہ ہے یا میں نے ایسا سنا ہے تو اس کی شہادت کا قابل قبول ہونا تو درکنار، اسے درخورِ سماعت بھی نہیں سمجھا جاتا۔ لہٰذا اشھد ان لا الٰہ اسی کا قابلِ قبول ہوگا جو یہ کہے کہ میں اس کا گواہ ہوں کہ یہاں خدا کے سوا کوئی صاحب اقتدار نہیں۔ یہاں خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں۔ یہاں حکمرانی صرف خدا کی ہے۔ جو اس حقیقت کا شاہد نہیں اسے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہنے کا حق حاصل نہیں۔ یہی وہ شہادت ہے جس کے متعلق خود اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ''خدا اس کی شہادت دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی صاحبِ اقتدار نہیں ہے۔'' وَالْمَلٰٓئِكَةُ ''اور ملائکہ جو اس کے اس اقتدار کو بروئے کار لانے کے لئے مامور ہیں وہ بھی اس کی شہادت دیتے ہیں''۔ انہیں بھی اس کا حق حاصل ہے کہ وہ بھی اس کی شہادت دیں، کیونکہ وہ اس کے عینی شاہد ہیں۔ اس کے بعد ہے: وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ''ان کے علاوہ وہ لوگ بھی اس کی شہادت دے سکتے ہیں جنہیں اس کا علم بھی حاصل ہے اور پھر وہ ایسا نظام متشکل کئے ہوئے ہیں جس میں خدا کی میزانِ عدل قائم ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے ذاتی علم اور مشاہدہ کی بناء پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (17:3) ''خدا کے سوا کوئی صاحبِ اقتدار نہیں اور اس کا اقتدار تنہا قوت پر نہیں، بلکہ قوت کے ساتھ حکمت پر مبنی ہے''۔

آپ نے غور فرمایا کہ۔۔۔ قرآنِ کریم کی رو سے اللہ اکبر کہنے کا حق کسے حاصل ہے؟ رمضان کے روزے جماعتِ مومنین کو اس قابل بنا دینے کے لئے تھے کہ وہ ملک میں خدا کی کبریائی قائم کریں اور پھر ساری دنیا کے سامنے اس کی شہادت دے سکیں۔

یہ ہے عزیزانِ من، میری قرآنی بصیرت کے مطابق صیام کی غرض و غایت اور رمضان کا مقصود و منتہیٰ۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

خواجہ ازہر عباسؒ، فاضلؒ درسِ نظامی
www.azharabbas.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پرستش و اطاعت کے درمیانی فاصلے

مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب پرستش کا غلط عقیدہ بھی ہے۔ قرآنِ کریم میں بار بار اطاعتِ خدا اور رسول کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ اس وقت ساری دنیا میں ایک میل زمین بھی ایسی نہیں ہے جس میں اطاعتِ خداوندی ہو رہی ہو۔ اس کا واحد سبب یہ ہے کہ ہم مسلمان پرستش اور اطاعت کا فرق ہی نہیں سمجھتے اور سارا زور اور اصرار پرستش پر ہے۔ باقاعدہ جماعتیں اور تنظیمیں موجود ہیں جو ہر وقت خود بھی پرستش میں مصروفِ عمل ہیں اور دوسرے حضرات کو بھی اس طرف کھینچ کھینچ کر لاتی ہیں۔ پرستش کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ جب نماز پنجگانہ سے طبیعت سیر نہیں ہوتی تو ہم اشراق اور تہجد کی نمازیں پڑھتے ہیں جب سو سو دانوں کی تسبیح سے طبیعت مطمئن نہیں ہوتی تو ہزارے پڑھے جاتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ دربار میں آیۂ کریمہ کے عمل کئے جاتے ہیں۔ پرستش دنیا سے تنفر پیدا کرتی ہے اور ہر وہ کام کیا جاتا ہے جس سے مرنے کے بعد فائدہ ہو۔ یہ دنیا پیشِ نظر رہتی ہی نہیں۔ پرستش میں ایک Charm اور ایک کشش ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ دونوں عظیم المرتبت رسول تھے۔ وہ اپنی قوم کو وادیٔ سینا میں لے آئے۔ جب حضرت موسیٰؑ طور پر گئے تو سامری نے قوم کو بہکا دیا قَالَ فَاِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَکَ مِنۡۢ بَعۡدِکَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ (20:85) تیرے پیچھے تیری قوم ایک مصیبت میں پھنس گئی اور سامری نے اس کو گمراہ کر دیا۔ ہوا یوں کہ تیرے بعد تیری قوم فتنے میں مبتلاء ہوگئی اور سامری نے اس کو گمراہ کر دیا۔ آپ اندازہ فرمائیں کہ دو اولوالعزم نبی قوم کی تربیت کر رہے ہیں اور وہ صرف سامری کے بہکانے پر بچھڑے کی پرستش پر آمادہ ہو گئے، اس میں جہاں سامری کی کاریگری تھی وہاں اس قوم کی بھی ایک بڑی خامی تھی کہ اس قوم کی طبیعت سے خُوئے پرستش دور نہیں ہوئی تھی، اس قوم میں پرستش کا جذبہ چھپا ہوا تھا اور پرستش کی طرف اس کا رُجحان موجود تھا اس لئے وہ فوراً پرستش کے لیے آمادہ ہوگئی اور دو نبیوں کی ساری محنت رائیگاں چلی گئی۔

قرآنِ کریم نے اطاعت اور پرستش کا فرق واضح کیا ہے اگر کوئی آنکھیں ہی بند کر لے تو اس کا تو کوئی علاج ہی نہیں ہے۔ یہ پرستش نہیں ہے اب آپ اس سلسلہ میں قرآنِ کریم کی وضاحت ملاحظہ فرمائیں۔

حضور ﷺ نے ایک انسانیت ساز نظام قائم فرمایا۔ یہ نظام خود حضور کی حیات مبارکہ میں دس لاکھ مربع میل پر وسیع و عریض تھا۔ اتنے وسیع و عریض نظام کو تنہا ایک آدمی نہیں چلا سکتا تھا اس لئے حضور ﷺ نے شہر بہ شہر اور قریہ بہ قریہ مقامی حکام

مقرر فرمادیئے تھے۔آپ اپنے خیال میں اُنہیں ڈی سی کمشنر یا آئی جی، ایس پی وغیرہ کی طرح خیال کرلیں مقامی حکام کی ایک Hierarchy مقرر فرمادی تھی۔قرآنِ کریم نے ان مقامی حکام کواولوالامر کے نام سے موسوم کیا ہے اوران کی اطاعت کوفرض قرار دیا ہے اولوالامر کی اطاعت کوفرض قرار دینے کا عملی اور منطقی نتیجہ یہ ہے کہ ایک نظام وجود میں آ گیا اوراس نظام کی اطاعت اللہ ورسول کی اطاعت قرار پائی یہ بات ایک معمولی سی عقل رکھنے والا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ مقامی حکام کی اطاعت کی فرضیت سے نظام ازخود متشکل ہوجاتا ہے۔اس نظام کی تشکیل سے دو اہم نتائج برآمد ہوئے۔ پہلا نتیجہ تو یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے انسانیت کونظام کی اطاعت سے روشناس کراکرانسان کی حکومت، انسان پر حرام قرار دے دی۔ یہ انسان کے لیے بہت بڑا شرف ہے اور اب انسانیت براہ راست قوانینِ خداوندی کے ماتحت آ گئی اور اصلی اور حقیقی آزادی میسر آئی۔ انسان کو آزادی جب ہوتی ہے جب وہ انسانوں کے وضع کردہ قوانین سے آزاد ہوکر خالص اللہ کے قانون کے تحت آجاتا ہے اوراس کا دوسرا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ حضور ﷺ کی ذاتی اطاعت کی بالکل تردید ہوگئی۔ اب حضور ﷺ کی اطاعت کرنے کا واحد طریقہ یہ قرار پایا کہ جوشخص اسلامی نظام کی اطاعت کرے گا، وہ حضور ﷺ کی اطاعت کرے گا۔قرآنِ کریم نے اس نظریہ کو مزید مستحکم اورموکد کرنے کے لئے یہ احتیاط برتی کہ اللہ ورسول کی اطاعت کوایک ہی اطاعت قرار دے دیا، تاکہ رسول کی ذاتی، اطاعت کا تصور ہی ختم ہوکر نظام کی اطاعت کا تصور واضح ہوجائے گا۔ وہ اطاعت ہوگی اور ہر وہ کام جو نظام کونظرانداز کرکے، اس سے بالا ہی بالا کیا جائے وہ پرستش ہوگی۔نوافل پڑھنا، اعتکاف میں بیٹھنا، مساجد تعمیر کرانا پورے سال غریبوں کا خون چوس کر، ان کا آخری قطرہ نچوڑ لینا اور پھر عمرے کرنا، رمضان میں غریبوں کے روزے افطار کرانا، سب پرستش میں شامل ہے اور قوم کومزید غارت کرنا ہے۔ پرستش میں اللہ تعالیٰ سے براہِ راست رابطہ ہوتا ہے اس میں رسول یا اس کا نظام درمیان میں نہیں آتا۔ جبکہ اطاعت میں اللہ تعالیٰ سے رابطہ رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے نظام کی معرفت ہوتا ہے۔اس وقت چونکہ کسی جگہ بھی اسلامی نظام جاری نہیں ہے۔اس لئے اس موجودہ دور میں کسی جگہ بھی اللہ ورسول کی اطاعت نہیں ہورہی ہے۔ نہ ہندوستان وانگلستان میں اور نہ ہی سعودی عرب اور ایران میں۔ اللہ ورسول کی اطاعت نظام کی معرفت ہوتی ہے جس میں زندہ، محسوس اتھارٹی کا موجود ہونا لازمی ہوتا ہے۔اس میں پہلے سنتے ہیں اس کے بعد اطاعت کرتے ہیں۔اس کے دلائل ملاحظہ فرمائیں ارشاد ہوتا ہے وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ (2:285) اورانہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا، اوراب ہم اطاعت کرتے ہیں۔ دنیا کی ہر مصیبت اور شر سے اگر پناہ مل سکتی ہے تو اسی حصار میں مل سکتی ہے۔اس آیت میں اطاعت کے لئے سماعت کوشرط قرار دیا گیا ہے۔

(2) دوسری جگہ ارشاد ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ (8:20)
ترجمہ: اے ایمان والو اللہ ورسول کی اطاعت کرو اوراس سے روگردانی نہ کرو جبکہ تم سن رہے ہو۔اس آیت میں بھی اطاعت کے لیے سماعت کی شرط قائم رکھی گئی ہے۔ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ (8:20) اور تَوَلَّوْا عَنْهُ (8:20) تم سن رہے ہو۔ پرستش میں

اس وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ (8:20) کی شرط پوری نہیں ہوتی۔ اس آیت میں اللہ ورسول سے عملاً مراد اسلامی نظام ہے۔ یہاں ''اللہ ورسول'' تثنیہ ہیں اس کے لئے ''عنہ'' کی ضمیر جو واحد ہے استعمال کی گئی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس سے اسلامی مملکت کے سربراہ کی اطاعت مراد ہے۔ پرستش کے لیے زندہ، محسوس، اتھارٹی کی ضرورت نہیں ہوتی جبکہ اطاعت میں ایک زندہ، محسوس اتھارٹی کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس کے احکامات کو سن کر اس کی اطاعت کی جائے۔

(3) ارشاد عالی ہے فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا (64:16) ترجمہ: تو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو، اور سنو، اور اطاعت کرو قوانین خداوندی کی اپنی استطاعت کے مطابق اور اطاعت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ **سمعنا**۔ اس اطاعت کے لیے ضروری ہے کہ جو نظام کے ذریعے کی جاتی ہے کہ پہلے ایک زندہ، محسوس اتھارٹی سے احکام سُنے جائیں، اور پھر ان کی اطاعت کرتے ہیں۔ پرستش میں سماعت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن اطاعت بغیر سماعت کے نہیں ہو سکتی کہ ارشاد عالی ہے۔ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (24:51) ترجمہ: ایمان والوں کی بات تو یہی ہے کہ جب ان کو اللہ ورسول کی طرف بلایا جائے ان میں فیصلہ کرنے کے لیے تو وہ یہی کہیں کہ ہم نے سُن بھی لیا اور حکم مان لیا اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ تمہارے جس قدر بھی اختلافات ہوں اس میں فیصلہ رسول اللہ ﷺ سے کرانا ضروری ہے۔ یہ الفاظ صرف زبان سے دہرانے کے لیے نہیں بلکہ یہ کفر اور ایمان کی تفریق ہے۔ اس میں زندہ، محسوس اتھارٹی جو فیصلہ کر دیتی ہے وہ حجت Binding ہوتا ہے اور یہی وہ نظام ہے جس کی اطاعت فرض ہے۔

اس سلسلہ میں آیات تو اور بھی ہیں لیکن ہم نے صرف چار آیات ہی تحریر کی ہیں۔ جن میں پرستش اور اطاعت کا فرق نمایاں کیا گیا ہے کہ پرستش انفرادی طور پر ہو جاتی ہے۔ لیکن اطاعت کے لیے ضروری ہے کہ زندہ، محسوس اتھارٹی موجود ہو۔ پہلے اس کے احکام سُنے جائیں پھر ان کی اطاعت کی جائے۔

پرستش اور اطاعت میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ پرستش کے نتائج اس دنیا میں سامنے نہیں آتے پرستش کے نتائج مرنے کے بعد برآمد ہوتے ہیں لیکن اطاعت کے نتائج اس دنیا میں سامنے آجاتے ہیں اور دنیا میں ہی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اطاعت ہو رہی ہے یا نہیں ارشاد ہے وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ (24:53) ترجمہ: اور اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر تو حکم دے تو ہم سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے نکل کھڑے ہوں، تو کہہ، قسمیں نہ کھاؤ، اطاعت کرو دستور کے مطابق، یہ لوگ بہت زوردار قسمیں کھائیں گے کہ اگر آپ ان کو حکم دیں گے تو یہ جہاد کے لیے سب کچھ چھوڑ کے نکل کھڑے ہوں گے۔ ان سے کہو قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں۔ دعوی ایمان کی پہچان تو بہت آسان ہے اور وہ پہچان یہ ہے کہ اطاعت صرف باتیں نہیں ہوتیں، اطاعت تو اطاعت ہی ہوتی ہے اور وہ ایسی جانی پہچانی ہوتی ہے کہ وہ خود جانی جاتی ہے۔ دیکھی جا سکتی ہے۔ اطاعت معروف ہوتی ہے۔ معروف کے معنی ہی یہ ہیں کہ نتائج سامنے آرہے ہیں۔ عمل محسوس

خود اطاعت کا ثبوت ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم نے اطاعت کا ثبوت معروف شکل کو ہی قرار دیا ہے۔ اس آیت سے اگلی آیت میں حکم ہے کہ اللہ و رسول کی اطاعت کرو اور اگر تم اطاعت کرو گے تو راہ پا جاؤ گے۔ اس سے اگلی آیۂ کریمہ میں اطاعت کا یہ نتیجہ بیان ہوا ہے کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ (24:55) اطاعت کا یہ نتیجہ بتایا کہ اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ جو بھی ایمان لایا اور اس نے اعمال صالح کئے، تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو زمین میں اقتدار عطا کرے گا۔ یہ ہے اطاعت کا نتیجہ۔ پھر اسی آیت میں اقتدار کی مزید تفصیل بیان فرمائی کہ ان کے دین کو متمکن کر دے گا۔ اور خوف کو امن میں تبدیل کر دے گا۔ اس کے بعد اطاعت کے مزید ثمرات کا ذکر ہے آپ غور فرمائیں کہ قرآنِ کریم نے کس طرح اطاعت کے نتائج کو واضح کر دیا۔ اس آیت میں قرآنِ کریم نے فی الارض (زمین میں) کے الفاظ خصوصی طور پر استعمال کیے ہیں کہ اطاعت کا نتیجہ اس زمین پر اقتدار کا حصول ہے۔ اگر قرآنِ کریم فی الارض (زمین میں) کے الفاظ استعمال نہ کرتا تو ہمارے رومانئین اس کو روحانی اقتدار کہہ دیتے اور آیت کا مفاد ہی تبدیل ہو جاتا۔ پرستش کا کوئی نتیجہ اس دنیا میں نہیں ملتا۔

ہمارا مضمون جس کا مقصد پرستش اور اطاعت کا فرق نمایاں کرنا تھا یہاں ختم ہوتا ہے۔ اس مضمون سے ہم مسلمانوں کی اس غلط فہمی کو دور کرنا چاہتے ہیں کہ پرستش اور اطاعت ایک چیز ہے پرستش کے نتائج تباہی ہوتے ہیں، جبکہ اطاعتِ خداوندی کا نتیجہ پرامن معاشرہ کا قیام ہوتا ہے (24:52)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پرستش کا تصور پیدا کہاں سے ہوتا ہے۔ جو واضح ہو کہ پرستش کا تصور روح کے غلط عقیدہ سے پیدا ہوتا ہے روح کا عقیدہ تمام انسانیت میں مروج ہے۔ نزول قرآن کے وقت بھی روح کا نظریہ چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ قرآنِ کریم کا اعجاز ہے کہ قرآنِ کریم نے روحِ خداوندی کو تو تسلیم کیا ہے، لیکن روحِ انسانی کی بالکل کھل کر تردید کر دی۔ اس موضوع پر تفصیل ہماری کتاب ''عقیدۂ روح'' روحانیت اقامتِ دین میں ایک رکاوٹ'' میں ملاحظہ فرمائیں اس جگہ مضمون کی مناسبت سے صرف ضروری اشارات پیش خدمت عالی کیے جاتے ہیں۔

قرآنِ کریم میں روح کا لفظ بیس مقامات پر آیا ہے۔ اس میں سے سترہ مقامات پر یہ لفظ وحی، وحی لانے والا، وحی پانے والا، کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ البتہ تین مقامات پر یہ لفظ نفخ روح کے لیے استعمال ہوا ہے، (15:25، 38:72، 32: 9،)

زندگی (Life) ہزاروں، لاکھوں سال میں، آہستہ آہستہ، ترقی کرتی ہوئی حیوانیت کی سطح پر پہنچی۔ زندگی جب حیوانیت کی سطح سے آگے بڑھی، اور اس کو اگلی منزل میں داخل ہونا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف سے ایک توانائی ایک صلاحیت عطا فرمائی جس کو قرآنِ کریم نے روح کے لفظ سے تعبیر کیا۔ یہ توانائی جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتی ہے تو یہ روحِ خداوندی کہلاتی ہے اور جب یہ توانائی نوع انسانیت کو ملتی ہے تو قرآنِ کریم اس کو نفس کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔ توانائی تو یہ ایک ہی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ جب یہ توانائی انسانیت کو بہ حیثیت ایک نوع مجموعی طور پر ملتی ہے تو یہ نفس کے لفظ سے پکاری جاتی ہے اور یہ توانائی ہی انسانیت کو حیوانیت سے ممیز کرتی ہے۔ عام طور پر لوگ انسان کو ''جسم اور روح'' کا مرکب سمجھتے ہیں۔

لیکن قرآنِ کریم انسان کو ''جسم اور نفس'' کا مرکب کہتا ہے۔ قرآنِ کریم چونکہ روح انسانی کا قائل ہی نہیں ہے اس لئے قرآن نے روح کی تربیت کے اصول بھی نہیں بتائے۔ ہمارے علماء کرام اور صوفیاءِ عظام نے خود ہی روح کی پرورش کے طریقے مقرر کئے۔ انہوں نے روح کو مادہ کے مقابل کھڑا کر دیا اور اس طرح مادہ کو قابلِ نفرت قرار دیا۔ جو شخص بھی جس قدر روح کی پرورش کرے گا وہ اسی قدر مادہ سے تنفر کرے گا۔ روح کی پرورش، پرستش سے ہوتی ہے جو جنگلوں، پہاڑوں، کونوں کھدروں میں اور ورد وظائف سے ہوتی ہے۔ روحانین کو کسی معاشرہ کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ انہیں کسی بھی مقام سے کوئی بحث نہیں ہوتی۔ خواہ نظامِ جمہوریت کا ہو یا کیمونزم کا ان کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔ یہ روحانین علم کے بھی خلاف ہوتے ہیں۔ یہ علم کے ذرائع بھی باطنی ہی مانتے ہیں۔ عقلی علوم کی یہ مذمت کرتے ہیں۔ اس لئے جو قوم روحانیت میں اُلجھے گی روبہ زوال ہوگی اور تباہ و برباد ہوگی۔ اس کے برخلاف جہاں تک نفسِ انسانی کا تعلق ہے، قرآنِ کریم اس کو Recognize کرتا ہے اور اس کے Development کے طریقے خود بیان کرتا ہے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا (4:49) ترجمہ: اے رسول کیا تم نے ان لوگوں پر نظر نہیں کی جو آپ بڑے مقدس بنتے ہیں خدا جسے چاہتا ہے مقدس بناتا ہے اور ظلم تو کسی پر تاگے کے برابر نہیں ہوگا۔ انسانی ذات کی نشوونما تو قوانین خداوندی کے اتباع سے ہوگی۔ یہ وہ مقام ہے جہاں وحی الٰہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ قرآنِ کریم کے علاوہ کسی جگہ بھی نہ تو نفسِ انسانی کا تصور ہے اور نہ ہی اس کے تربیت کے اصول کسی جگہ مل سکتے ہیں۔ سورۃ النور میں ارشاد ہے۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (24:21) ترجمہ: اگر تم پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی شخص بھی کبھی پاک وصاف نہ ہوتا۔ مگر خدا تو جس کو چاہتا ہے پاک وصاف کر دیتا ہے۔ فرمایا کہ یہ تو خدا کی طرف سے ملی ہوئی ہدایت ہے جو اللہ کی طرف سے بلا مزد و معاوضہ صرف اس کے فضل کے طور پر ملی ہے۔ اس سے تمہاری انسانی صلاحیتوں کی نشوونما ہو سکتی ہے اگر ایسا نہ ہوتا اور فضل خداوندی کی وجہ سے ہدایت آسمانی نہ ملی ہوتی تو مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ۔ تمہاری انسانی صلاحیتوں کی نشوونما نہ ہو سکتی وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ لیکن انسانی نشوونما خدا کے قانون کے مطابق ہی ہو سکتی ہے۔

روحانین روح کی نشوونما پرستش سے کرتے ہیں پرستش کرنے والے کو دوسروں کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ پرستش کرنے والا خودغرض ہوتا ہے اس کے پیش نظر صرف اس کا اپنا مفاد ہوتا ہے۔ اسے انسانیت کی فلاح و بہبود سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا۔ اسے معاشرے کی پریشانیوں اور اس کے مسائل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اُسے صرف اپنی روحانیت سے سروکار ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف نفسِ انسانی یا ذاتِ انسانی کی نشوونما دوسروں کی نشوونما کرنے سے ہوتی ہے۔ اَلَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى (92:18)، ترجمہ: جو کوئی اپنا مال دوسروں پر خرچ کرتا ہے اس کا تزکیہ ہوتا ہے۔ فرمایا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ (59:9)، ترجمہ: اور مومنین ایثار کرتے ہیں اپنی جانوں پر خواہ اُنہیں فاقہ بھی کرنا پڑے۔

نفسِ انسانی کی نشوونما مستقل اقدار پر عمل کرنے سے ہوتی ہے۔ مستقل اقدار پر عمل کرنے سے بہترین معاشرہ وجود

میں آتا ہے۔ خود انسانی ذات ایک بلند ترین قدر ہے۔ باقی تمام مستقل اقدار وہ ہیں کہ جن پر عمل کرنے سے اس کی نشوونما ہوتی ہے اور ان میں سے ایک ایک قدر پر عمل کرنے سے معاشرہ بہتر سے بہتر ہوتا چلا جاتا ہے۔

ان اقدار میں سے احترام انسانیت بہت اہم قدر ہے فرمایا وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ (17:70)، ہم نے تمام انسانیت کو واجب الاحترام قرار دیا ہے قرآنِ کریم تو تمام نوعِ انسانی کو مخاطب کر کے فرماتا ہے خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (4:1) ترجمہ: ہم نے تم سب کو نفس واحدہ (Life-Cell) سے پیدا کیا۔ پیدائش کے اعتبار سے کسی کو ایک دوسرے پر ترجیح نہیں ہے۔ ہر شخص قابل عزت واحترام ہے۔

قرآنِ کریم نے عدل پر بہت زور دیا ہے۔ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ (16:90) بے شک اللہ عدل کا حکم دیتا ہے۔ یہ ایک ایسی قدر ہے جس کو کسی حال میں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں تک حکم فرمایا کہ جو لوگ تمہارے دشمن ہیں تم ان سے بھی عدل کرو، وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ (5:8) کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اس سے عدل نہ کرو۔ ہر حال میں عدل کرو۔ یہ طریقہ زندگی تقویٰ کے قریب ہے۔

مضمون کو طویل کر کے ہم آپ کا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ مستقل اقدار کو اگر ترتیب وار بیان کرنا شروع کر دیں تو اس کے لئے تو کتب درکار ہوں گی۔ نکتہ قابل غور صرف یہ ہے کہ روحانیت کے اضافہ سے دنیا میں ذلت وخواری ہی نصیب ہوتی ہے، لیکن آپ جس قدر نفسِ انسانی کی پرورش کریں گے، تو آپ بہترین معاشرہ قائم کریں گے۔ قرآنی قوانین اور مستقل اقدار بہترین معاشرہ تعمیر کرنے کے ضامن ہوتے ہیں۔

جمال یار ندارد نقاب و پردہ ولی
غبار رہ بنشان تا نظر توانی کرد

ملتان کے احباب کے لیے ضروری اطلاع

اب طلوع اسلام کی تمام بکس اور ''طلوع اسلام'' میگزین
مندرجہ ذیل پتہ پر مل سکتا ہے

ملک محمد صفدر ایڈووکیٹ نمبر 54 محمڈن بلاک ضلع کچہری۔ ملتان فون نمبر: 0334-6093266

ڈاکٹر سنبل، اسلام آباد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اسماء الحسنیٰ۔۔۔اللہ کے رنگ

ابتداء میں زمین ایک آتشین گولہ تھی۔ اس پر زندگی ناپید تھی سبزہ و پانی کا نشان نہ تھا اور فضا زہریلی تھی۔ لاکھوں سال کے عمل ارتقاء کے نتیجے میں زمین رہنے کے قابل ہوئی تو زندگی کا آغاز ہوا۔ شروع میں زندگی انتہائی خام شکل میں تھی اور شعورِ ذات نہ تھا۔ ارتقاء کی اگلی منازل طے کر کے زندگی one-dimensional ہوگئی۔ اس کے بعد مزید لاکھوں سال گزرے تو شعورِ ذات پیدا ہوا لیکن انتہائی سادہ، یعنی simple consciousness اور زندگی two-dimensional ہوگئی۔ ارتقاء کا سلسلہ اسی طرح آگے چلتا رہا اور مزید لاکھوں سال کی منازل طے کرنے کے بعد فجائی ارتقاء (Emergent evolution) کے نتیجے میں حضرت انسان وجود میں آئے۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفتِ رحمانیت کا مظہر تھا۔ انسان کے ساتھ شعورِ نفس یعنی Self consciousness پیدا ہوا۔ جو نفخ فی روح کا نتیجہ تھا۔ اس طرح زندگی three-dimensional پہنچنے کے بعد ہوگئی۔

اب لگتا ہے کہ ارتقاء کی سیڑھی کے اگلے زینے پر چڑھنے کا وقت قریب آ پہنچا ہے اور یقیناً یہ آخری زینہ نہ ہوگا۔ اس اگلے زینے پر پہنچنے والے انسان Cosmic consciousness کے حامل ہوں گے اور زندگی Four-dimensional ہوجائے گی۔ مغربی دانشوروں کے مطابق اس انسان کامل (superhuman) کا پیدا ہونا ناگزیر ہے۔ ہم ماضی پر نگاہ ڈالیں تو پتا چلتا ہے کہ ایسے انسان کامل پہلے بھی گزرے ہیں۔ یہ حضرات انبیاء علیہ السلام کی لڑی میں سے تھے۔ برگزیدہ اور چُنے ہوئے انسان، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف وکرم سے پیغمبر چُنا۔ آخر میں علیم وخبیر نے ہمارے نبی محمد ﷺ کو مقام محمود پر فائز کیا۔ آپ ﷺ سر سے پاؤں تک صفاتِ خداوندی کے رنگ میں رنگے تھے۔ انسانی آنکھ نے آپ ﷺ سے بڑھ کر حلیم وکریم ورحیم وعلیم انسان نہ دیکھا ہوگا۔ عفو ودرگزر کا پیکر، وفا ومحبت کی مثال، عدل وانصاف کی انتہا، شجاعت وبہادری کا نمونہ، امانت وصداقت کا کمال۔

تاریخ انسانی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان تجارب کی دُشوار گزار اور کٹھن منازل سے گزر کر ہی ارتقاء کے اگلے زینے پر پہنچتا ہے اور یہ فاصلہ وہ ہزاروں سال میں طے کرتا ہے جبکہ یہی فاصلہ انبیاء کرام نے وحیٔ خداوندی کی روشنی میں انتہائی کم وقت میں طے کیا۔ جیسا کہ صدر اول کے مسلمانوں نے کر کے دکھایا۔

عشق کی ایک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

ہر دو بہ منزلے روان ہر دو امیر کاروان
عقل بہ حیلہ می برد عشق برد کشان کشان

نفسِ انسانی کا ارتقاء ہی وہ واحد ذریعہ ہے (تزکیۂ نفس) جس کی بدولت انسان اپنی منزل پر پہنچ سکتا ہے۔ اس مقام کو حاصل کرنے کے لیے انسانی ذات کی نشوونما ضروری ہے۔

سوال یہ ہے کہ انسانی ذات کی نشوونما کیسے ہو اور یہ کس طرح پتا چلے کہ نشوونما ہو رہی ہے یا نہیں۔

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ انسانی ذات کی نشوونما، عمل خیر سرانجام دینے سے ہوتی ہے اگر انسان بکثرت خیر کے کام کرے تو اس کی ذات طاقتور ہوتی ہے اور قوت شر کمزور پڑتی ہے۔ اس کے برعکس اگر انسان شر و فساد کرے تو اس کی ذات کمزور ہوتی جاتی ہے اور اس پر شیطان غلبہ کر جاتا ہے۔

پھر سوال یہ اُٹھتا ہے کہ خیر کے کام کونسے ہیں۔ اللہ فرماتے ہیں:

وَاَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ ؕ ۔۔۔۔(13:17)

جو بھی کام منفعت عامہ کے لئے کیا جائے وہ خیر ہے۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ ذات کی نشوونما ہو رہی ہے کہ نہیں ہمارے سامنے ایک معیار (رول ماڈل) ہونا چاہئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے لئے رسول اللہ ﷺ کو ''اسوۂ حسنہ'' قرار دیا۔ ہمارے لئے رسول رول ماڈل ہیں تو نبی کے لئے اللہ۔

مسئلہ یہ ہے کہ اللہ کے بارے کسی کو علم نہیں کہ وہ کون ہے، کیسا ہے اور کہاں سے آیا۔ دراصل ہمارا محدود (Finit) دماغ غیر محدود کے بارے سوچ بھی نہیں سکتا۔

ای برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم

سُبۡحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوۡنَ (6:101)

لیکن اللہ نے اپنے بارے سمجھانے کے لیے اپنی صفات بیان کی ہیں جنہیں ہم اسماء حسنیٰ کے نام سے جانتے ہیں یہ قرآنی اوراق میں بکھری ہیں۔ 52 صفات کا ذکر خود ذاتِ باری تعالیٰ نے کیا لیکن علم الاعداد کے ماہرین نے عددِ جمیل (99) کے چکر میں 41 صفات کو قرآن سے اخذ کیا اور بقایا 7 کا ماخذ قرآن نہیں۔ ان اخذ شدہ صفات میں سے چند ایک محلِ نظر ہیں۔ جیسے:

''المضل''، ''الضار''، ''المذل''

اگر انسان قرآنی ہدایت پر عمل نہیں کرتا اور شیطان کا پیروکار بن کر گمراہ ہوتا ہے۔ نقصان اٹھاتا ہے اور نتیجۃً ذلت اس کا مقدر بنتی ہے تو اس کا ذمہ دار وہ خود ہے نہ کہ خدا جو کہ ''الھادی'' (ہدایت دینے والا)، ''الغفار'' (حفاظت کرنے والا) اور ''المعز'' (عزت دینے والا) ہے۔

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ ۔۔۔(17:15)

ہمارے ہاں یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ صفاتی نام صرف اللہ کے لئے ہی مخصوص ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بالکل آخری درجہ میں یہ ذاتِ خداوندی سے متعلق ہیں۔ لیکن اس سے نچلے درجے میں ان صفات کا انسان میں ہونا ضروری ہے۔ اسی سے ایک آدمی پہلے انسان، پھر مسلم اور پھر مومن بنتا ہے۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن
گفتار میں، کردار میں، اللہ کی برہان!
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

اسماءِ حسنیٰ میں چند صفات صرف ذات خداوندی کے لئے مختص ہیں جیسے اول و آخر، حی و قیوم وغیرہ۔ باقی صفات کا بہ حد بشریت اپنے اندر منعکس کرنا ایک مسلم کا مطمح نظر ہونا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ ''ھادی برحق'' اور اللہ ''الھادی''

بندہ مومن ہوتا ہے اور اللہ ''المومن''

مومن خالق ہوتا ہے اور اللہ ''احسن الخالقین''

مومن رازق ہوتا ہے اور اللہ ''خیر الرازقین''

یہی صفات اللہ کے رنگ ہیں اور انہی رنگوں میں رنگے جانا اصل کامیابی ہے (فوز الکبیر)

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۔۔۔(2:137)

اللہ کے رنگ اور ان رنگوں سے زیادہ حسین کس کے رنگ ہیں اور جو اللہ کے رنگ میں رنگے جائیں وہی تو اس کی محکومیت اختیار کرتے ہیں۔

جس دن انسان نے ارتقاء کی سیڑھی کے اگلے زینہ پر قدم رکھا اس دن Cosmic consciousness کے حاملین کا یہ معاشرہ جنتی ہوگا اور یہ جنت زمین و آسمان کو محیط ہوگی۔

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ (57:21)

اس دن زمین پر اللہ اور اس کے فرشتے صف آرا ہوں گے۔

وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا (89:22)

اور اس دن زمین اپنے پیدا کرنے والے کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا (39:69)

عمر احمد عثمانی مرحوم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قرآنی معاشرہ

(بہن بھائیوں کے تعلقات کے متعلق قرآن کی تعلیم)

اس مضمون کی گذشتہ اقساط میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ اولاد کو اپنے والدین کے ساتھ اور والدین کو اپنی اولاد کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہئے اور اس سلسلہ میں اولاد اور والدین کے کیا فرائض وواجبات ہیں۔ مضمون کی پچھلی قسط اور حالیہ قسط میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ بہن بھائیوں کے باہمی تعلقات کس قسم کے ہونے چاہئیں اور ان کے فرائض وواجبات کیا ہیں؟

ایک بھائی دوسرے کا محافظ ہوتا ہے:

ایک بھائی دوسرے بھائی کے لئے آنے والی مشکلات کے لئے ڈھال بن جاتا ہے وہ ایک دوسرے کی حفاظت کرتے ہیں۔ ایک کا کہیں پسینہ گرتا ہے تو دوسرا خون بہانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف جب ان کے بھائیوں نے سازش کی اور انہیں اپنے ساتھ جنگل میں لے جانا چاہا تو باپ سے اجازت لیتے وقت جہاں اور باتوں کا انہیں یقین دلایا وہیں ساتھ ہی یہ یقین بھی دلایا گیا تھا کہ وہ اُن کی پوری پوری حفاظت کریں گے اور ان پر کوئی آنچ نہیں آنے دیں گے۔

اَرۡسِلۡہُ مَعَنَا غَدًا یَّرۡتَعۡ وَیَلۡعَبۡ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ (12:13)

اسے آپ کل کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے (جنگل میں) کھائے پیئے گا اور کھیلے کودے گا اور یہ حقیقت ہے کہ ہم اس کی پوری پوری حفاظت کریں گے۔

اگر بھائیوں میں اخوّت نہ رہے:

اگر بھائیوں میں یہ اوصاف نہ رہیں اور ان کے درمیان سے اخوّت کا رشتہ گم ہو جائے یعنی ان میں یگانگت اور محبت باقی نہ رہے تو اس کے بُرے نتائج نہایت ہی دوررس اور تباہ کُن ہوتے ہیں۔

لَقَدۡ کَانَ فِیۡ یُوۡسُفَ وَاِخۡوَتِہٖۤ اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیۡنَ (12:7)

یوسف اور ان کے بھائیوں کے واقعات میں ضرورت مندوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کا واقعہ کئی جہتوں سے عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے سرمایۂ بصیرت ہے۔ دوسری جہات کو تو جانے دیجئے۔ محض بھائیوں کے نقطۂ نظر سے اس واقعہ پر غور کیجئے تو کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ حضرت

یوسف علیہ السلام کا اپنے والد اور خاندان سے یوں بچھڑنا، یوسف کی جدائی میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپتے رہنا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا ایک معمولی غلام کی حیثیت سے مصر میں داخل ہونا۔ عزیز مصر کی بیوی اور دوسری بیگمات کی خواہشات نفس کا ناکام نشانہ بننا اور اپنی عفت وعصمت کی حفاظت کی خاطر مسلسل کئی سال تک جیل خانہ میں قیدیوں کی طرح زندگی گزارنا اور پھر دوسری طرف برادرانِ یوسف کے قلبی عدم سکون اور اضطراب کا یہ عالم کہ خلاف توقع یعقوب علیہ السلام نے ایک دن بھی ان کے اس گھڑے ہوئے افسانہ پر یقین نہ کیا کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ بیٹوں کی طرف سے باپ کی اس بے اطمینانی کے بعد کیا تصور بھی کیا جا سکتا ہے کہ جس مقصد کے لئے انہوں نے یوسف علیہ السلام کو باپ کی نگاہوں سے اوجھل کیا تھا۔ اس میں وہ کامیاب ہو سکے ہوں گے۔ یقیناً اس واقعہ کے بعد اس بے چینی اور اضطراب میں اور بھی اضافہ ہو گیا ہوگا۔ آپ ذرا ٹھنڈے دل سے غور فرمائیے کہ کیا مصائب ومشکلات کا یہ سارا سلسلہ اور آلام وآفات کی یہ ساری زنجیر اس چھوٹے سے ایک واقعہ کا نتیجہ نہیں تھی کہ برادرانِ یوسف کے دل میں حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے یہ حسد پیدا ہوا کہ باپ کی نظر شفقت بہ نسبت ہمارے یوسف (علیہ السلام) پر زیادہ کیوں ہے اور انہوں نے جوش رقابت میں یہ فیصلہ کر لیا کہ یوسف کو باپ کی نگاہوں سے اوجھل کر دیا جائے۔

اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۭ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۨ ۝ اِقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝ (12:8-9)

جب انہوں نے کہا کہ یوسف (علیہ السلام) اور اس کا بھائی ہماری بہ نسبت ہمارے باپ کی نگاہوں میں زیادہ محبوب ہیں حالانکہ ہم ایک پوری جماعت ہیں۔ یقیناً ہمارا باپ ایک کھلی گمراہی میں مبتلا ہے۔ یوسف کو مار ڈالو یا اسے کسی ایسی سرزمین میں پھینک دو کہ (وہ باپ کی نگاہوں سے دور ہو جائے اور) پھر تمہارے باپ کی توجہات صرف تمہارے لئے ہی رہ جائیں۔ اس کے بعد تم صلاحیت بخش کام کرنے والے بن جانا۔

اس حسد رقابت کے مظاہرہ کے بعد جو نتائج مرتب ہوئے، وہ صرف حضرت یوسف علیہ السلام ہی کے لئے باعثِ اذیت اور وجہ ابتلاء نہیں تھے بلکہ برادران یوسف علیہ السلام کے لئے بھی کچھ خوش آئندہ ثابت نہیں ہوئے۔ اس چھوٹے سے ایک واقعہ نے اسرائیل کے گھرانے کے خانگی سکون واطمینان کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ سارے کنبہ کو ایک سخت آزمائش اور ابتلاء میں ڈال دیا۔

اولاد کے درمیان امتیازی سلوک:

ہمیں یقین ہے کہ یعقوب علیہ السلام، یوسف علیہ السلام کے ساتھ کوئی ایسا امتیازی سلوک تو قطعاً نہیں کرتے ہوں گے۔ جس سے دوسرے بچوں کی حق تلفی ہوتی ہو لیکن پھر بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کے محتاط سلوک نے بھی جسے دوسرے بھائی امتیازی سلوک سمجھتے تھے خاندانِ اسرائیل پر مصائب وآلام کے کس قدر پہاڑ توڑ ڈالے تھے۔ اس سے اندازہ فرمائیے کہ جو والدین واقعی طور

پر اپنی اولاد کے درمیان کسی امتیازی سلوک کا برتاؤ کرتے ہیں وہ کتنے بڑے فتنے کو دعوت دیتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر صرف پاکستان میں ان گھرانوں کے حالات وکوائف کا تجزیہ کیا جائے۔ جن میں بھائیوں بھائیوں یا بھائیوں اور بہنوں یا بہنوں اور بہنوں کے تعلقات میں ناخوشگواری کے اثرات پائے جاتے ہوں تو نوّے فیصدی واقعات ضرور ایسے نکلیں گے جن کی تہہ میں یہی چیز نکلے گی کہ اس ناخوشگواری کا سبب والدین کا بھائی بہنوں کے درمیان کوئی امتیازی سلوک تھا جو بچپن سے ان کے تحت الشعور میں پرورش پاتا چلا آرہا تھا اور جس نے بالآخر بڑے ہوکر فلاں واقعہ سے متاثر ہوکر کوہِ آتش فشاں کی صورت اختیار کرلی۔ لہٰذا اس ضمن میں اتنا ہی نہیں کہ بھائی بہنوں کو محتاط رہنے اور ایک دوسرے کے حقوق وواجبات کو پہچاننے کی ضرورت ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ بھائی بہنوں سے زیادہ والدین کو بھی انتہائی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ بچوں کا ذہن ایک صاف سلیٹ کی طرح ہوتا ہے جو کچھ ہم کرتے ہیں وہ ہمارے اعمال سے اثر پذیر ہوتے ہیں اور ان کے تحت الشعور میں غیر محسوس طریقہ پر یہ چیزیں پرورش پاتی رہتی ہیں۔ جو وقت آنے پر کسی بہانے سے پھوٹ پڑتی ہیں۔

بھائیوں کے لیے نیک آرزوئیں:

ہمیں ہمیشہ اپنے دل میں بھائیوں کے لیے نیک آرزوئیں رکھنی چاہئیں۔ حتیٰ کہ اگر ہم کسی پریشانی میں مبتلا ہیں۔ یا انتہائی طیش اور غضب کی حالت میں ہیں تب بھی انسانیت کا کمال یہ ہے کہ ہم ایسے موقع پر بھی اس فرض سے غافل نہ ہوں اور پھر بھی اپنے دلوں میں ان کے لئے اچھی خواہشات اور نیک آرزوئیں ہی رکھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر تشریف لے جاتے ہیں اور اپنی غیر موجودگی کے لیے بنی اسرائیل میں حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب اور خلیفہ بنا جاتے ہیں۔ بنی اسرائیل سحرِ سامری کا شکار ہوجاتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر موجودگی میں گوسالہ پرستی شروع کردیتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب واپس تشریف لاتے ہیں تو یہ حالات سن کر غصہ سے بے تاب ہوجاتے ہیں۔ انہیں یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کی ہوگی کہ چند دن میں پوری قوم یوں گمراہ ہوگئی۔ وہ حضرت ہارون علیہ السلام پر عتاب فرماتے ہیں۔ انہیں فہمائش کرتے ہیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام اپنا عذر بیان کرتے ہیں اور حالات کو صحیح صورت میں پیش کرتے ہیں۔ یہ سوال وجواب ہورہے ہیں اور ان سوالات وجوابات کے ضمن میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام جو بارگاہ الٰہی میں التجا پیش کرتے ہیں وہ یہ ہوتی ہے۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (7:151)

موسیٰ (علیہ السلام) نے بارگاہِ ایزدی میں التجا فرمائی کہ اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے بھائی کو سامانِ حفاظت عطا فرما اور اپنی رحمت ونوازش میں داخل فرمالے، تو رحم فرمانے والوں میں سے سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔

اپنی مصیبت میں بھائی کو پھنسا دینا مجرمانہ روش ہے:

اس کے برعکس کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اسے اپنی ہنرمندی سمجھتے ہیں کہ جس مصیبت میں خود پھنسے ہوئے ہوں اس

میں اپنے کسی بھائی کو پھنسا کر صاف نکل جائیں۔ مگر ایسا کرنا سخت قسم کی مجرمانہ روش ہے جو ایک مومن کی روش تو ہو نہیں سکتی۔ قرآنِ کریم نے کفار و مجرمین کی یہ روش بیان کی ہے کہ جب فیصلہ کن گھڑی آجائے گی تو ان خاندانی کثرت پر گھمنڈ کرنے والوں کا حال یہ ہوگا کہ ان میں سے ہر شخص کی خواہش اور آرزو ہوگی کہ کاش کسی طرح اس دن کے عذاب سے وہ خود تو بچ جائیں اور اس کی جگہ اس کے بیٹے، بیوی اور بھائی پھنس جائیں۔

يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ۝ (70:11-12)

مجرم لوگوں کی اس دن یہ آرزو ہوگی کہ کاش وہ اپنے بیٹوں، بیوی اور بھائی کو پھنسا کر اس دن کے عذاب سے خود کسی طرح چھوٹ جائیں۔

مگر ایک مومن کی زندگی کی یہ روش ہو نہیں سکتی۔ مومن کی روش تو اس کے مقابلہ میں یہ ہوتی ہے کہ وہ سگا بھائی تو ایک طرف رہا اپنے دینی بھائی کو بھی کسی مصیبت میں گرفتار نہیں دیکھ سکتا۔ وہ اگر اپنے کسی مسلمان بھائی کو کسی مصیبت میں گرفتار دیکھتا ہے تو اس کی پہلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس کی یہ مصیبت اگر میں دور نہ کر سکوں تو اس کی مصیبت خود لے لوں اور اسے کسی طرح اس سے نجات مل جائے۔

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (59:9)

ترجمہ: مومنین، دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود بھی بھوک کی انتہائی شدت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جو لوگ نفسانی حرص و آز سے بچا لئے جائیں وہی لوگ ہیں جن کی کھیتیاں پروان چڑھتی ہیں۔

بھائیوں سے آنکھ چرانا:

مصیبت میں بھائی، بہن اور دوسرے رشتہ داروں سے آنکھیں چرانا اور ان کو چھوڑ کر بھاگ جانے کی فکر کرنا بھی مجرمین ہی کا شیوہ ہوتا ہے۔ ایک مومن کے حیطۂ وہم میں بھی اس قسم کا خیال نہیں آسکتا۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۝ (80:34-36)

ترجمہ: اس دن کا خیال کرو جب حالت یہ ہوگی کہ آدمی اپنے بھائی سے، اپنی ماں سے، اپنے باپ سے اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد تک سے (آنکھیں چُرا کر) بھاگ جانے کی فکر کرے گا۔

ان تمام مقامات میں اس بنیادی حقیقت کو کبھی نظر انداز نہ ہونے دیں کہ بھائی کہتے کسے ہیں؟ اس کی تفصیل شروع میں بیان ہو چکی ہے۔

ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب المراسلات

میری اپنے ایک قریبی عزیز کے بیٹے کے نکاح کی تقریب پر اُس سے اور اُس کے ہونے والے سمدھی سے دولہا اور دلہن کے علم میں لانے کے لئے نکاح کے قرآنی مفہوم و مقصد اور اِس سے متعلق مُلک کے رائج الوقت قانون کے بارے میں سرسری طور پر بات ہو رہی تھی۔ وہ حقوقِ نسواں بِل پر اسلامی نظریاتی کونسل کے موقف اور اُن کی حکومت کے ساتھ چپقلش سے پریشان اور خصوصی طور پر دولہا اور دولہن میرا پورا موقف جاننے کے خواہشمند تھے۔ لہٰذا مَیں نے اپنی فہم اور تحقیق کی رو سے اپنا موقف اُن کے سامنے رکھ دیا۔ اُن کی خواہش پر ریکارڈ میں رکھنے کے لئے اِس موقف کو درجِ ذیل تحریری شکل میں بھی پیش کر دیا۔ اِس لئے بھی کہ مَیں خود یہ رائے رکھتا ہوں کہ نکاح کا معاہدہ کرتے وقت والدین کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اِس معاہدہ کی کم از کم اہم تفصیلات بچوں کے علم میں لائیں۔ یہ اُن کا بنیادی اور قانونی حق ہے، جس کی کِسی بھی حالات میں خلاف ورزی کی اجازت دینے کا سوچنا بھی نہیں چاہیئے۔

نکاح کا مفہوم:

نکاح کے لغوی معانی ملانے اور جمع کرنے کے ہیں، لیکن اس طرح ملانا، جس طرح نیند آنکھوں میں گھل مل جاتی ہے، یا جس طرح بارش کے قطرے زمین کے اندر جذب ہو جاتے ہیں۔

اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے جو میاں بیوی کا عائلی زندگی میں نقشہ پیش کیا ہے اس میں نکاح سے مراد میاں بیوی کا ایسا تعلق ہے، جیسا آنکھ اور نیند کا ہوتا ہے۔ میاں بیوی میں یہ تعلق اسی صورت قائم رہ سکتا ہے، جب دونوں میں فکر و نظر کی ہم آہنگی، ذوق اور مزاج، خیالات و تصورات اور نظریات و معتقدات کی یک جہتی ہو۔ لہٰذا، ایسے تعلق کے لئے بلا جبر، باہم رضامندی ضروری ہوتی ہے۔ یہ اس لئے بھی کہ امام راغب نے کہا ہے کہ نکاح کا لفظ عقد یعنی معاہدہ کے معنوں میں آتا ہے۔ اس کے لئے پھر ضروری ہو جاتا ہے کہ دونوں معاہدہ کرنے کے قانونی طور پر قابل یعنی بالغ ہوں کہ وہ خود اپنی عقل سے فیصلہ کر سکیں۔

قرآن کریم نے نکاح کی ترکیب ہی میں بَلَغُوا (4:6) لفظ استعمال کیا ہے۔ لہٰذا نہ تو نابالغ کے نکاح کے معاہدہ کرنے کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی لڑکے یا لڑکی کی طرف سے کسی دوسرے کی رضامندی کی شرط یا پابندی عائد کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ خود ان کی رضامندی بغیر خارجی جبر کو ہی کافی سمجھا جائے گا۔ قرآن کریم کی رو سے بالغ لڑکے اور لڑکی کا یہ معاہدہ کہ وہ

ان تمام حقوق وفرائض کے ساتھ جو اس باب میں اللہ نے عائد کئے ہیں ازدواجی زندگی بسر کریں گے، نکاح کہلاتا ہے۔

اس کے لئے قرآن نے نہ کوئی تقریب مقرر کی ہے اور نہ کوئی رسم۔ رسوم وتقاریب معاشرتی ضرورتیں ہیں۔ البتہ بعد کی پیچیدگیوں سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ اس معاہدہ کی کوئی شہادت بھی ہو اور اسے کہیں منضبط یعنی درج بھی کرلیا جائے۔ اسی بِنا پر رائج الوقت مُلکی قانون میں معاہدہ کی طرز پر نکاح کی پوری شرائط کے قانونی طور پر حکومت کی طرف سے متعارف کردہ فارم پر اندراج اور اُس کے حفاظت سے حکومت کے ریکارڈ میں رکھنے کا قانونی تقاضہ پورا کیا جاتا ہے۔

میاں بیوی دونوں اپنی الگ الگ شخصیتوں کے مالک اور بطور انسان کے یکساں تکریم وحقوق وواجبات کے حامل ہونے کی بِنا پر ایک دوسرے کے مِمد ومعاون ہوتے ہیں۔ تقسیمِ کار کے ضِمن میں البتہ قرآن بیوی کو گھر کے اندرونی نظام اور بچوں کی تعلیم وتربیت کی خصوصی ذُمہ داری دے کر اِس مخصوص فریضہ کی تسلی بخش ادائیگی کا جوابدہ بھی قرار دیتا ہے۔ بیوی کے گھر کی خصوصی ذمہ داری سے البتہ یہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ گھر سے باہر کام کرنے اور معاشی آسانی پیدا کرنے میں مِمد و معاون ہونے سے روک دی گئی ہیں۔ اِس ضِمن میں البتہ قرآن سے ہدایت ملتی ہے کہ:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ (4:32)

جس طرح مرد کی کمائی میں اُس کا حصہ ہے، اسی طرح عورت کی کمائی میں اُس کا حصہ ہوتا ہے۔

یہ البتہ یاد رہے کہ اُمّ (ماں) مادہ کے مُشتق سے اُمت کا وجود بنتا ہے۔ بچوں اور گھر کے ماحول کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنانے کے اِس فریضہ کی اہمیت کو ذہن میں رکھ کر بیوی کا درجہ اگر زیادہ نہیں تو کم ہونے کا تو سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ اِس کے بالمقابل شوہر کا قرآن میں اپنی فیملی کی حفاظت اور پرورش کرنے کے لئے ہر قسم کے وسائل مہیا کرنے کا فریضہ مقرر کیا گیا ہے اور اِس کا جوابدہ ٹھہرایا جاتا ہے۔ اِس ذمہ داری کو خوش اسلوبی سے سرانجام دینے کی بِنا پر فیملی کو اُس کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

نکاح کے مقاصد کے حصول کے لئے دونوں میاں بیوی کے خاندان بھی ہر ممکن مدد وتعاون اور مشاورت مہیا کرتے ہیں۔ لہذا نکاح کے معاہدہ میں اجتماعی طور پر شرکت کرنے کی وجہ سے دونوں کے خاندان ایک ہی خاندان کہلائے جانے کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ اِس ایک فیملی میں سبھی کا گھر میں قرآنی اقدار اپنانے کا ایک ہی مقصد اور منزل ہوتی ہے۔ گھرانہ کی اِس قسم کی کیفیت کو قرآن جنتی معاشرہ کے وجود میں لانے کا ایک لازمی جزو قرار دیتا ہے۔

گھر کی زندگی جنتی زندگی کا نمونہ:

اسلامی معاشرہ میں گھر کی زندگی کو ایک خاص مقام حاصل ہے اس لیے کہ اسلام جس قسم کا معاشرہ بنانا چاہتا ہے، وہ اس کی ابتداء گھر سے کرتا ہے۔ اس کے نزدیک گھر ایک چھوٹی سی مملکت یا معاشرہ ہے، جسے اسلامی مملکت یا اسلامی سوسائٹی کا صحیح صحیح نمونہ ہونا چاہیے۔ وہ گھر کے سب سے بڑے فرد (بزرگِ خاندان) کی ذمہ داری قرار دیتا ہے کہ وہ جس طرح اپنے آپ کو ہر تباہی سے بچانے کی کوشش کرتا ہے، اسی طرح اپنے گھر کے لوگوں کو بھی ہر قسم کی بربادی سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرے۔

1۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (66:6)

''اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی تباہی سے بچاؤ''۔

گھر کو جنتی کیفیت لئے ہوئے ایک مثالی گھرانہ بنانے کے لئے وہ ھدایات دیتا ہے کہ

2۔ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ط (30:21)

''اللہ نے تمہاری جنس سے تمہارے جوڑے پیدا کر دیئے ہیں (عورت کے لیے مرد اور مرد کے لیے عورت)۔ جوڑا بنانے سے مقصد یہ ہے کہ تمہیں ان سے آرام وسکون ملے۔ اس کے لیے، اس نے تم دونوں میں محبت اور ہمدردی کے جذبات پیدا کر دیئے ہیں''۔

3۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ط (4:19)

''تمہارے لیے یہ ہرگز جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے مالک بن جاؤ''۔

اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں میں پیدائش کے لحاظ سے جو فرق رکھا ہے اس کی رو سے اولاد کی پیدائش اور اس کی پرورش اور تربیت کی بیشتر ذمہ داری عورت کے سر پر ہوتی ہے۔ اس میں اس کا بہت سا وقت صرف ہو جاتا ہے۔ اس لیے رزق کمانا مردوں کے ذمے ہے۔

4۔ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (4:34)

''عورتوں کو رزق بہم پہنچانا مردوں کی ذمہ داری ہے''۔

5۔ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ... (4:19)

''اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو۔ اگر ان کی کوئی بات تمہیں (کسی وقت) ناگوار بھی گزرے (تو اس پر جھٹ سے غصے میں نہ آجاؤ) ہوسکتا ہے کہ تمہیں ایک بات ناپسند ہو اور خدا نے اس میں تمہارے لیے بڑے فائدہ کی بات پوشیدہ رکھی ہو (اس لیے صبر وتحمل سے کام لیا کرو)''۔

اولاد کی پرورش ماں باپ کا سب سے پہلا فریضہ ہے۔ ان کی طرف سے غفلت برتنا گویا اولاد کو قتل کر دینا ہے۔ جو قرآنِ کریم کی رو سے بہت بڑا جرم ہے۔

6۔ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا ۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ (6:140)

''جو لوگ اپنی اولاد کو احمقانہ جہالت کی بنا پر مار دیتے ہیں، ان کے لیے تباہی ہے''۔

اپنی اولاد کی فضول خرچیوں کے لیے یا ان کے لیے جائیدادیں بنانے کی خاطر، ناجائز طریقوں سے کمائی کرنا بھی بہت بڑا جرم ہے۔ اس قسم کی اولاد یا بیویاں (جن کی خاطر انسان کو ناجائز طریقے سے کمائی کرنی پڑتی ہے) انسان کی دشمن ہوتی ہیں۔

7۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ (64:14)

''تمہاری بعض بیویاں اور بچے ایسے بھی ہوتے ہیں، جو تمہارے دشمن ہوتے ہیں۔ لہٰذا ایسے بیوی بچوں سے بہت بچنا چاہیے''۔

لہٰذا خود بھی حلال وطیب کمائی کھانی چاہیے، اور اپنے بچوں کو بھی رزقِ حلال کھلانا چاہیے، اور ان کی صحبت، تربیت اور تعلیم کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیے۔ قرآن کریم والدین سے نیک سلوک کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

8۔ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ (17:23-24)

''والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اف تک نہ کہو، اور ان سے سخت کلامی نہ کرو۔ انہیں جھڑکو نہیں بلکہ ان سے ادب اور عزت کے ساتھ بات چیت کرو اور نہایت ہمدردی سے انہیں اپنے دامنِ پرورش کے نیچے رکھو۔ اور اللہ سے دعا کرو کہ جس طرح انہوں نے بچپن میں مجھے پالا پوسا تھا، تو ان کی پرورش کا سامان بہم پہنچاتا رہے''۔

جس طرح ماں باپ سے حُسنِ سلوک کی تاکید ہے، اسی طرح رشتہ داروں سے بھی نیک سلوک کا حکم ہے۔

9۔ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ (33:6، 8:75)

''اور رشتہ والے اللہ کے قانون کے مطابق ایک دوسرے سے زیادہ نزدیک ہیں''۔

(10) وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى (2:83، 4:36)

''اور والدین کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داری کے تعلقات کا لحاظ رکھو''۔

مختصر طور پر یہ امر ملحوظِ نگاہ رہنا چاہیئے کہ اِس جنتی معاشرہ میں نہ کسی کو کوئی خوف ہوتا ہے نہ حُزن بلکہ ہر طرف سے سلامتی ہی کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ ہر فرد کی ذات انسانیت کے بہبود میں زیادہ سے زیادہ contribute کرتے ہوئے معاشرے میں عزت واکرام کے ساتھ ممتاز مقام حاصل کرتی جاتی ہے۔ اُن سبھی کی زندگی حُریت اور استغناء کی کیفیت لئے ہوئے نفسِ مطمئنہ کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔

نکاح اور خصوصی طور پر اِس کے قرآنی تصور کے متعلق ہمارے بچوں کو زیادہ آگاہی نہیں ہوتی یا پھر جو آگاہی دی جاتی ہے، اُن میں اختلافات پائے جاتے ہیں جن سے تسلی نہیں ہو پاتی۔ لہٰذا میں چند ایک اہم سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کروں گا، جن میں عورتوں کے درجہ کو مردوں کے یکساں رکھنے کی آگاہی مِلتی ہے۔

مردوں کو ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت دینا:

پہلا سوال مردوں کو ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت سے تعلق رکھتا ہے۔ اِس اجازت کا قرآن کی درجِ ذیل

آیت میں قرآن میں ایک ہی بار ذکر کیا گیا ہے کہ:

وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِی الۡیَتٰمٰی فَانۡکِحُوۡا مَا طَابَ لَکُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَۃً(4:3)

اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کی بہبود کے معاملے میں انصاف نہ کر سکو گے تو عورتوں میں سے جو تمہارے لئے جائز ہوں دو دو، تین تین، چار چار عورتوں تک سے نکاح کر لو۔ لیکن اگر ڈر ہو کہ ان کے درمیان عدل نہ کر سکو گے، تو پھر ایک ہی بیوی پر بھروسہ کرو۔

یہاں قسط اور عدل دونوں کے معنی انصاف کے ہیں، لیکن اس میں ایک باریک سا فرق ہے۔ مثلاً عدل کے معنی ہوں گے دو آدمیوں میں برابر کا سلوک کرنا۔ اور قسط کے معنی ہوں گے کسی کے حقوق و واجبات کو پورا پورا ادا کر دینا۔

فَانۡکِحُوۡا ''عربی گرامر کی رو سے'' ف ''جزا کے لیے آتی ہے۔ لہٰذا اس کے معنی ہوئے کہ اگر یہ بات ہو تو یہ کرو، اور اگر یہ بات نہ ہو تو یہ نہ کرو''۔ اگر وہ شرط والی بات نہ رہے تو پھر شرط والی بات بھی نہیں رہتی۔ اِس واضح شرط کے باوجود آج علمائے کرام حکومتِ وقت سے غیر مشروط بیک وقت چار بیویاں رکھنے کی اجازت مانگتے رہتے ہیں۔

سیاق و سباق میں دیکھا جائے تو اِس آیت سے پہلے کی آیت 4:2 میں یتیموں کے مال کو سنبھالنے کی ہدایات دی گئی ہیں۔ لیکن بات صرف مال سنبھالنے کی نہیں ہوتی، بات اس سے بھی آگے کی تھی۔ عورتوں کے مال کے ساتھ ان کے جذبات کا بھی لحاظ رکھنا ضروری تھا، اس لئے یتامیٰ کے اپنے گھر میں آزادی سے رہنے کی بِنا پر حقوق پورے نہ ہونے کی ہنگامی صورت میں آفت زدہ عورتوں کو سہارا دینے کے لیے اجازت دی گئی کہ اگر معاشرہ فیصلہ کرے، تو اس کے مطابق دو دو، تین تین، چار چار یتیم (یعنی بے شوہر 4:127) عورتوں سے شادی کر لو (جو تمہارے نکاح میں بھی آنا چاہیں 4:19)۔ ایسے ہنگامی حالات میں ایک مرد، ایک بیوی کے قانون میں استثناء دی گئی، لیکن ایک سے زیادہ شادی کرنا معاشرہ کے فیصلہ پر منحصر ہوگا، نہ کہ انفرادی فیصلے پر۔ پھر ان شادیوں کو بیویوں کے درمیان بھی عدل کرنے کے ساتھ مشروط کر دیا گیا۔

واضح طور پر یہ بھی کہا گیا کہ اگر کسی بیوی کی طرف معلق ہونے کی صورت میں عدل نہ کر سکو، تو پھر ایک وقت میں ایک بیوی کے اصول پر عمل کرو۔

ہمارے رائج الوقت قانون نے بھی قرآن میں دی گئی ایک سے زیادہ نکاح کی صورت میں یتامیٰ کے حقوق کے فرائض کی ادائیگی کی شرط کو تو نظر انداز کر دیا، لیکن بیویوں کے درمیان عدل کی شرط کو برقرار رکھتے ہوئے موجود بیوی کی اجازت کو فقہِ حنفی کی طرف سے دی گئی سہولت کو مدّنظر رکھتے ہوئے نہ صرف لازمی قرار دے دیا گیا، بلکہ اِس شرط سے انحراف کرنے کی صورت کو قابلِ تعزیر جُرم قرار دیتے ہوئے سزا بھی مقرر کر دی۔

تاریخ میں ہمیں یہ شہادت بھی ملتی ہے کہ مومنات جب یتامیٰ کی آفت زدہ زندگی کی طرف توجہ کرتیں، تو وہ شوہروں سے

اُن کے ساتھ نکاح کر کے اُن کا بوجھ بانٹنے پر آمادہ اور اصرار کیا کرتی تھیں۔ اِن مومنات کی پہچان بھی قرآن اِن الفاظ میں سامنے لاتا ہے کہ:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۭ (59:9)

وہ دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضروریات میں تنگی میں رہ کر ترجیح دیتے ہیں۔

طلاق کا موقف:

دوسری بے چینی عورتوں کو طلاق کے بارے میں مکتبِ مُلا کے مُتضاد موقف سامنے آنے کی وجہ سے بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا اِس معاملہ میں قرآن اور رائج الوقت مُلکی قانون سے آشنائی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ قرآن میں ہے کہ:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ (4:35)

(عام مردوں عورتوں کے علاوہ) اگر تمہیں کسی میاں اور بیوی کے درمیان جدائی کا اندیشہ ہو، تو ایک ثالث مرد کے خاندان سے، اور ایک ثالث عورت کے خاندان سے مقرر کرو۔ اگر یہ دونوں (میاں بیوی) باہمی مصالحت کا ارادہ کر لیں اور ثالث اصلاح کی نیّت سے، موافقت پیدا کرنے کی کوشش کریں، تو خدا کا قانون اِن ثالثوں کے ذریعے میاں اور بیوی میں موافقت پیدا کر دے گا۔

میاں بیوی کے درمیان مصالحتی کوششوں کی اہمیت:

اختلافی ماحول میں، جذباتی طور پر، کوئی بھی فریق درست فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اسی لئے اس آیت میں ہے کہ اگر میاں بیوی میں اختلافات پیدا ہو جائیں، علیحدگی تک نوبت پہنچ جائے، تو ان دونوں کے درمیان تیسرے فریق کو آنا چاہیے۔ اگر فریقین میں شدتِ جذبات سے مغلوب ہونے کی وجہ سے اختلافات پیدا ہوئے ہیں، تو وہ صحیح فیصلہ نہیں کر سکیں گے، معاملات کو مزید الجھاتے چلے جائیں گے۔

معاشرے سے کہا جا رہا ہے کہ ''وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا'' جب بھی تمہیں احساس ہو کہ میاں بیوی میں اختلافات پیدا ہو رہے ہیں تو ''فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ'' تم ثالثی کرنے کے لیے ایک نمائندہ بیوی کے خاندان سے اور ایک نمائندہ خاوند کے خاندان سے مقرر کرو۔ اگر حکومتی ڈھانچہ نہیں ہے، تو ثالثی مقرر کرنے والا معاشرے کا سربراہ ہو سکتا ہے، اور اگر حکومت موجود ہے تو عدالت ثالثی مقرر کر سکتی ہے، تاکہ یہ غیر جذباتی ماحول میں مصالحت کی کوئی راہ نکالیں حَکَم مصالحتی یا ثالثی نمائندے کو کہتے ہیں۔

آگے آیت ہے کہ ''اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ'' اگر وہ (میاں بیوی) اور ثالث مصالحت کے ارادے سے کوشش کریں گے، تو خدا ایسی توفیق دے گا کہ کسی طرح نباہ ہو جائے یعنی خدا چاہتا ہے کہ مصالحت کی صورت پیدا ہو

جائے۔ اگر تین ماہ کی مصالحتی کوششیں بے کار چلی جائیں، تو پھر عدالت طلاق کی توثیق کر دیتی ہے کہ یہ اب میاں بیوی نہیں رہے۔ اِس طرح ایک بار کی طلاق کا طریقہِ کار مکمل ہو جاتا ہے۔

ہمارے مُلک کے رائج الوقت قانون میں قرآن کی اِس شِق پر من وعن عمل کیا جا رہا ہے۔ اگر میاں بیوی کی طرف سے ازدواجی رشتے سے علیحدہ ہونے کی اطلاع/نوٹس حکومت کے نمائندے کو نہ دی جائے تو اسے ایک قابلِ تعزیر جُرم قرار دیتے ہوئے سزاؤں قید کرنے کا مستحق گردانا گیا ہے۔ بورڈ کو جب اطلاع وصول ہو، تو اُس کے لئے تین افراد کا ثالثی بورڈ تشکیل دینا لازم ہو جاتا ہے۔ ایسے افراد کا حکومتی نمائندہ کی سرکردگی میں ایک دولہا اور دوسرا دُلہن کی طرف سے منتخب شدہ افراد کو شامل کیا جاتا ہے۔ مشاورتی بورڈ کے لئے یہ بھی لازم ہوتا ہے کہ وہ فریقین میں تین مہینوں کے اندر اتفاق سے کوئی قابلِ قبول صلح کرنے کی بھرپور کاوشوں سے کوئی راستہ نکالیں اور اِسی عرصہ میں اپنا فیصلہ سُنا دیں۔ اگر وہ فریقین میں طلاق کا فیصلہ سنائیں تو فیصلہ کے دن سے پہلی طلاق کا اطلاق ہوتا ہے۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (2:230)

پس (4:35 آیت میں درج دومرتبہ طلاق کا حق استعمال کرنے کے بعد) اگر وہ مرد (تیسری مرتبہ بھی) طلاق دے دے، تو وہ عورت اس کے بعد، اس شوہر کے لیے جائز نہیں ہے، تا آنکہ وہ اس کے سوا کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے۔ پس اگر وہ (دوسرا شوہر) اس کو طلاق دے دے (یا وہ وفات پا جائے) تو پھر اس پر کوئی گناہ نہیں، اگر وہ (سابقہ شوہر اور یہ عورت) پھر نکاح کر لیں، بشرطیکہ یہ دونوں بخوشی یہ توقع رکھتے ہوں کہ وہ اللہ کی حدود پر قائم رہ سکتے ہیں۔

یہ ہیں (عائلی زندگی سے متعلق) قوانین کی حدود جنہیں اللہ ان لوگوں کے لیے واضح طور پر بیان کرتا ہے، جو معاشرتی زندگی میں مصلحتوں کے علم سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

قرآن کی روشنی میں طلاق کا طریق کار:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۠ "طلاق دینے کا حق صرف دومرتبہ ہے"۔ طلاق، طلاق، طلاق چاہے ایک ہزار بار بھی کہا جائے رسول اللہ ﷺ کے دور میں اسے ایک ہی طلاق شمار کیا جاتا تھا۔ خدا نے طلاق کا حق دومرتبہ دیا ہے۔ شوہر نے طلاق دے دی ہے، تو ایک صورت تو یہ ہے کہ عدت گزارنے کے بعد عورت نے کہیں شادی کر لی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عدت کے عرصہ میں مرد اور عورت دونوں سابقہ نکاح کی طرف رجوع کر سکتے ہیں بشرطیکہ دونوں ایسا کرنے پر رضامند ہوں۔ یوں یہ دوبارہ میاں بیوی تو بن گئے لیکن مرد اپنی دو طلاقوں کے حق میں سے ایک طلاق کا استعمال کر چکا۔ اب مرد کے پاس صرف ایک بار طلاق دینے کا حق باقی بچ گیا۔ کچھ عرصہ بعد میاں بیوی میں ناچاقی ہو جاتی ہے اور شوہر طلاق دے دیتا ہے۔ اس طلاق کے بعد اگر عدت گزارنے کے بعد عورت کہیں شادی کر لیتی ہے، تو یہ دوسری بات ہے۔ لیکن اگر عدت کے عرصہ میں مرد اور عورت میں

سازگاری پیدا ہوگئی ہے اور دونوں چاہتے ہیں کہ سابقہ نکاح کی طرف رجوع کیا جائے تو دونوں ایسا کر سکتے ہیں۔ اب خدا نے مرد کو جو دو مرتبہ طلاق کا حق دیا ہے، مرد اسے استعمال کر چکا۔ اب اگر پھر ناچاقی ہو جاتی ہے اور مرد عورت کو طلاق دے دے، تو اب یہ دونوں چاہیں بھی تو اپنے سابقہ نکاح کی طرف رجوع نہیں کر سکتے اور نہ ہی دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں (4:19)۔ عورت کہیں اور جگہ نکاح کر لے گی۔ اب اگر دوسرے شوہر نے بھی اُس عورت کو طلاق دے دی یا وہ مر گیا، تو پھر سے ان مرد و عورت میں نکاح ہو سکتا ہے، جو پہلے دو مرتبہ طلاق کا حق حاصل کر چکے ہیں۔ حلالہ دھوکا بازی ہے، خدا کے قانون کے ساتھ مذاق ہے، اس لیے جائز نہیں۔ خدا کا قانون تو یہ ہے کہ مرد یا عورت میں سے جس کے پاس طلاق دینے کا حق ہے، وہ اپنے حق کو دو مرتبہ استعمال کر سکتا یا کر سکتی ہے۔ تین بار طلاق طلاق طلاق کہہ کر عورت کو فارغ کر دینا، خدا کا بنایا ہوا قانون نہیں ہے۔ طلاق کا معاملہ نیلام کی طرح ایک دو تین کرنے والا نہیں ہے، یہ قانون کا معاملہ ہے۔ طلاق کی صورت میں مرد جو کچھ بیوی کو دے چکا ہے، اب وہ اس میں سے واپس لینے کا حق دار نہیں۔ البتہ مال کا لین دین ہی علیحدگی میں رکاوٹ بن رہا ہے، تو عورت اپنے حق میں سے کچھ چھوڑ کر طلاق یا ہماری قانونی اصطلاح میں خُلع حاصل کر سکتی ہے۔ ایسی صورت ہو تو عورت کو طلاق دینے سے پہلے اس سے مال کی واپسی کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔

شوہر کی جانب سے نکاح کے موقعہ پر مہر کی حسبِ استطاعت ادائیگی نکاح کے وقت بیوی کو ایک تحفہ ہوتا ہے۔ مہر کی ادائیگی کی شرط نکاح کی لازمی شِق ہے، جس کو 1961ء میں قائم شدہ عائلی کمیشن کی سفارش پر مُلک کے رائج الوقت قانون میں من وعن شامل کیا گیا ہے۔ اِس کے مقابل دولہن والوں سے جہیز کا مطالبہ کرنا قرآنی اقدار کے منافی ہندوانہ روش ہے۔

مردوں کا عِدت کی پابندی سے آزادی کی بِنا پر ایک درجہ فوقیت ہونا:

قرآن کی درجِ ذیل آیت سے سیاق وسباق سے نکال کر فقہ کے ائمہ کرام نے مردوں کا عورتوں کے مقابل مُطلق طور پر درجہ میں بلند ہونے کا قانون بنا رکھا ہے۔ لہٰذا اس امر سے متعلقہ آیت پیش کر کے اُس کے مفہوم کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (2:228)

اور مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو (دوسری شادی کے لیے) تین حیض تک روکے رکھیں۔ اور اگر وہ قوانین خداوندی اور اخروی زندگی پر ایمان رکھتی ہیں، تو ان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ نے ان کے رحموں میں جو کچھ پیدا کیا ہے، اس کو چھپائیں۔ اور اس عرصہ میں ان کے شوہر (باہمی رضامندی سے) ان کو لوٹانے کے زیادہ حق دار ہیں، بشرطیکہ وہ دونوں سازگاری کے طالب ہوں۔ اور ان عورتوں کے لیے دستور کے مطابق اسی طرح حقوق ہیں، جس طرح دستور کے مطابق ان پر ذمہ داریاں ہیں۔ ہاں مردوں کو عورتوں پر ایک ترجیح ہے (یعنی مرد کے لیے عدّت نہیں ہے)۔ اور یہ (ترجیح) اس خدا کے قانون میں ہے،

جو ہر معاملہ کی حکمت سے واقف ہے اور ہر ایک کو اس کے صحیح مقام پر رکھنے پر قادر اور غالب ہے۔

طلاق کی صورت میں دیئے گئے متعین اصول واقدار:

ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ط (2:228) ''تین قروء'' یعنی تین حیض کی مدت تین ماہ۔ یہ مدت اس لیے مقرر کی گئی تا کہ جو کچھ رحم میں ہے وہ ظاہر ہو جائے اور جس کا بچہ ہے اس پر ذمہ داری ڈال کر بچے کے حقوق کا تحفظ کیا جا سکے۔ تین ماہ کو مدت کی عدت کہا جاتا ہے۔ اگر کسی کو سن رسیدہ ہونے کی وجہ سے یا بیماری کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو، تو عدت کی مدت تین ماہ ہے اور حاملہ عورت کی عدت کی مدت بچے کی پیدائش تک ہے (65:4)۔ جس عورت کے ساتھ زنا شوئی نہ ہوئی ہو اور طلاق واقع ہو جائے، تو اس کے لیے کوئی عدت نہیں (33:49)۔ بیوہ عورت کی عدت چار ماہ اور دس دن ہے (2:234)۔ قرآن نے بیوہ کے متعلق تشریح نہیں کی کہ اگر وہ حاملہ ہو تو کتنی عدت ہے۔ لیکن حاملہ مطلقہ کی عدت سے اخذ کیا جا سکتا ہے کہ بیوہ حاملہ کی عدت کی مدت بھی وضع حمل تک ہونی چاہیے۔

عدت کے دوران مطلقہ عورت کے رہنے سہنے اور خورد ونوش کی ذمہ داری، طلاق دینے والے شوہر پر ہے۔ خورد ونوش اور رہنے سہنے کا معیار وہی ہوگا جیسا بیوی ہوتے ہوئے تھا (2:241)، (65:1)، اور (65:6)، 7۔ لیکن اگر حالات سازگار نہ ہوں تو عورت، عدت کے دوران کسی دوسری جگہ بھی جا سکتی ہے۔ بیوہ کے لیے زندگی ہی میں مرد اپنے ترکہ میں سے وصیت کرے گا کہ اس کی بیوی کو ایک سال کا خورد ونوش اور رہائش دی جائے۔ اگر بیوہ اپنی مرضی سے کہیں اور چلی جائے تو پھر ایک سال کا خورد ونوش اور رہائش کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے (2:240)۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ بیوہ اسی گھر میں عدت کا عرصہ گزارے، تو یہ بیوہ کے لیے سہولت کا بیان ہے، نہ کہ سزا دی گئی ہے۔ یہ جو ہمارے ہاں رواج کے طور پر کہا جاتا ہے کہ جس گھر میں خاوند مرے، اسی گھر میں بیوہ چار ماہ دس دن اپنے آپ کو بند رکھے، تو یہ غلط ہے۔ پابندِ گھر کی سزا تو قرآن نے سورۃ النسا میں فحش عورتوں کے لیے تجویز کی ہوئی ہے (4:15)۔ کہا تو یہ گیا ہے کہ بیوہ کو ایک سال تک گھر سے نہ نکالا جائے، لیکن اگر بیوہ کے لیے متوفی کا گھر سازگار نہ ہو، تو وہ کسی اور سازگار جگہ بھی جا سکتی ہے۔ ہمارے ہاں تو بیوہ کو گھر سے باہر قدم بھی نہیں رکھنے دیتے۔ یہ قرآن کا منشا نہیں ہے۔ مطلقہ کے بارے میں قرآن نے تو صرف یہ کہا ہے کہ اس دوران عورت کسی جگہ شادی نہیں کر سکتی۔ البتہ عدت کے دوران اگر مرد اور عورت میں حالات سازگار ہو گئے ہیں تو مرد کو یہ حق زیادہ حاصل ہے کہ وہ اپنی مطلقہ عورت کی طرف رجوع کرے اور پھر سے میاں بیوی کی طرح رہنے لگیں بشرطیکہ دونوں خوش اسلوبی کے ساتھ رہنا چاہیں (4:19)۔ اس طرح مرد، دو طلاقوں میں سے ایک طلاق کا حق استعمال کر چکا ہوگا۔ چونکہ مرد کے لیے کوئی عدت کی مدت نہیں ہے، تو بس یہ ایک بات ہے، جس میں مرد کو عورت پر فوقیت حاصل ہے۔ اس کو قرآن نے یوں بیان کیا کہ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ط ''مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فوقیت حاصل ہے''۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ مردوں کو عورتوں پر ہر طرح سے فضیلت حاصل ہے۔

بات تو آیت میں نکاح کی ہو رہی، طلاق کی ہو رہی ہے تو یہ فضیلت اس میں ہے کہ عورتوں کے لیے تو عدت ہے، لیکن مردوں کے لیے عدت نہیں ہے، ورنہ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۖ (2:228) ''مرد اور عورت کے حقوق و فرائض یکساں ہیں''۔

اس فضیلت کے نتیجہ میں مکتبِ مُلا کی طرف سے شوہر کو بیوی کو مارنے تک کا اختیار دے دیا گیا ہے۔

شوہر کے بیوی کو مارنے کی حقیقت کا قرآن کی روشنی میں جائزہ:

اِس ضِمن میں وہ قرآن کی درجِ ذیل آیت کا قرآنی تعلیم کے منافی مطلب نکال کر سہارا لیتے ہیں۔

وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ ۖ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ۗ (4:34)

اِس کا روایتی ترجمہ شوہروں کا بیویوں کی طرف سے بدخوئی کی صورت میں یوں کیا جاتا ہے کہ

اور جن کی بدخوئی کا ڈر ہو تُم کو تو اُن کو سمجھاؤ اور جدا کرو سُونے میں اور مارو۔ پھر اگر کہا مانیں تُمہارا تو مت تلاش کرو اِن پر راہِ الزام کی۔

روایات کی رو سے البتہ بیویوں پر کمال مہربانی کا ثبوت دیتے ہوئے شوہروں کو مار کو خفیف رکھنے کی ہدایات دی گئی ہیں۔

وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ کا مفہوم:

یہاں میاں بیوی کی بات نہیں ہو رہی ہے۔ بات الرجال اور النسآء کی ہو رہی ہے اور معاشرے سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تمہیں کسی ایک عورت کی طرف سے یا عورتوں کی طرف سے اندیشہ ہو کہ وہ اپنے فرائض منصبی کے ساتھ بچوں کی نگہداشت نہیں کر رہی ہیں، جس کی وجہ سے یا ان کے منفی رویے کی وجہ سے گھر کا ماحول صحت مند نہیں رہا تو فَعِظُوهُنَّ معاشرے کی حکومت انہیں سمجھائے گی، نصیحت کرے گی کہ باز آ جاؤ۔ یہ خاوند کو نہیں معاشرے کو یعنی حکومت کو حکم دیا جا رہا ہے۔

وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ کا مفہوم:

اگر عورتیں یا عورت باز نہیں آ رہی ہیں حکومت خاوندوں سے کہے کہ وہ انہیں اپنی خوابگاہوں سے الگ کر دیں اور ان سے عارضی طور پر جنسی تعلق ختم کر لیں۔ یہ کچھ محبوس کر دینے والی بات ہے، جس کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے کہ اگر تمہیں خطرہ ہو کہ کوئی بے حیائی کی بات ہو جائے گی، تو انہیں ان کے گھروں میں روک لو۔

وَاضْرِبُوهُنَّ کا مفہوم:

اگر عورت خوابگاہ الگ کرنے سے بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو پھر عدالت یا حکومت عورت کو بدنی سزا دے گی، تاکہ یہ پھر سے فرائض کی ادائیگی اور گھر کے ماحول کو خوشگوار بنانے پر راضی ہو جائیں۔

آگے ہے فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ''جب وہ قانون کی اطاعت کرنے پر رضامند ہو جائیں، تو ان پر خواہ مخواہ ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ یہاں خاوند کا تو کہیں ذکر ہی نہیں آ رہا ہے۔ اس سے آگے ہے اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ''یاد رکھو! خدا کے قوانین غالب ہیں، بالا دست ہیں''، کوئی سرکش یہ نہ سمجھ لے کہ انہیں کوئی قابو نہیں کر سکتا۔

ہماری بصیرت کے مطابق، اس آیت کے مفہوم کے اعتبار سے یہ شکل ہے۔ معانی کے لئے جس کا جی چاہے لغتِ ''لسانِ عربی'' کی کتاب اٹھا کر دیکھ لے۔ ہم نے لغت ''لسان عربی'' اور قرآن کے انداز تصریف آیات کو ترجیح دی ہے اور ساتھ ہی اس کا بھی خیال رکھا ہے کہ جو مفہوم لیا جائے، وہ قرآن کی مجموعی تعلیم اور دیگر آیات کے مطابق ہو۔ قرآن تو اپنے منجانب اللہ ہونے کا ثبوت ہی یہ دیتا ہے کہ اسکی تعلیم میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ قرآن ایک مقام پہ تو ایک ذہنیت پیدا کرے اور دوسرے مقام پہ اس کے خلاف کچھ کہے۔ قرآن ایسا کبھی نہیں کرے گا۔

قرآن کریم نے کہا ہے کہ میاں بیوی کا رشتہ باہمی پسندیدگی کا ہے۔ اگر دونوں طرف سے کسی ایک میں بھی کسی قسم کی کراہت آ گئی تو فریق مقابل دوسرے کے لیے حرام ہو جائے گا (4:19)۔ ازدواج کا باہمی رشتہ رفاقت کا ہے، مؤدت و سکینت اور رحمت کا ہے، اس لئے قرآن کہتا ہے کہ دونوں کے حقوق مساوی ہیں تو وہ شوہر کو مار پیٹ کا اختیار کیسے دے سکتا ہے؟ اس آیت میں میاں بیوی کا تو ذکر ہی نہیں ہے، ذکر ہے تو الرجال اور النساء کا ہو رہا ہے۔ ایسی بدنی سزا صرف عورت تک محدود نہیں بلکہ معاشرہ کو مرد کو بھی بدنی سزا کا قرآن میں ذکر ہے کہ:

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ (4:16)

اور اگر دو مرد اِس قسم کی بے حیائی کے مُرتکب ہوں تو انہیں مناسب بدنی سزا دو۔ لیکن اگر وہ اپنے کئے پر نادم ہو کر اِس سے باز آ جائیں اور اپنی اصلاح کر لیں، تو اُن سے درگذر کرو۔

یہاں مار پیٹ میں بھی قرآن مرد و زن کو ایک ہی یکساں مقام پر رکھتا ہے۔

مکتبِ مُلا کا طلاق کے حق کو صِرف شوہر کی طرف منتقل کرنے کی کاوش:

بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ میں مذکر کے صیغہ سے مخاطب ہونے پر مکتبِ مُلا کا طلاق کے حق کو صِرف شوہر کی طرف منتقل کرنے کی کاوشیں کی جاتی ہیں۔

بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ کے الفاظ سورۃ البقرہ کی آیت 237 میں ہی آئے ہیں۔ لہٰذا اس آیت کو درج کر کے اُس کے مفہوم سے مکتبِ مُلا کے دعویٰ کا تجزیہ لینا ضروری ہو جاتا ہے۔

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ (2:237)

اور اگر ایسی صورت ہو کہ عورت کو ہاتھ لگانے سے قبل طلاق دینا پڑ جائے، اور مہر بھی مقرر ہو چکا ہو، تو ایسی صورت میں

مقررمہر کا آدھا حصہ ادا کرو۔ اگر عورت اپنا حق چھوڑ دے تو مہر ادا نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں یا اگر طلاق کا مطالبہ عورت کا ہے (2:229)، تو اس صورت میں جس کے ہاتھ میں نکاح کا بندھن ہے وہ اپنا حق چھوڑ دے۔ اور یہ کہ باہمی مراعات کا برتاؤ قوانین خداوندی کی منشآ کے زیادہ قریب ہے۔

نکاح کا بندھن کس کے ہاتھ میں ہے؟:

بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ ط ''جس کے ہاتھ میں نکاح کا بندھن ہے''۔ اوپر گزر چکا ہے کہ اور اگر کسی وجہ سے مہر مقرر ہی نہیں ہوا اور زنا شوئی سے پہلے طلاق کی نوبت آ گئی ہے، تو کہا حسب استطاعت کچھ نہ کچھ عورت کو دے کر رخصت کر دیا کرو (2:236)۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مہر تو مقرر ہو چکا، لیکن زنا شوئی سے پہلے طلاق کی نوبت آ گئی تو کہا آدھا مہر ادا کر دو (2:237)۔ اگر طلاق کا مطالبہ عورت کی طرف سے ہے (2:229) تو اس صورت میں جس کے ہاتھ میں نکاح کا بندھن ہے وہ اپنا حق چھوڑ دے۔ دیکھتے ہیں کہ یہ کون ہے، جس کے ہاتھ میں نکاح کا بندھن ہے؟ نکاح کا معاہدہ تو مرد و عورت کی باہمی رضامندی سے ہوگا۔ دونوں میں سے اگر ایک راضی نہیں ہے، تو نکاح کا معاہدہ نہیں ہوسکتا۔ شادی کرتے ہوئے وہ اکیلے ہوتے ہیں، لہٰذا باہمی رضامندی سے چند گواہوں کی موجودگی میں نکاح کا معاہدہ ہو جاتا ہے۔ لیکن طلاق کی صورت میں بیوی بچوں کے حقوق کے تحفظ کا سوال پیدا ہو جاتا ہے۔ نکاح سے پہلے تو یہ حالت تھی کہ اگر عورت ''ہاں'' نہیں کرتی تو معاہدہ ہی نہیں ہوسکتا تھا، جوں ہی عورت نے ''ہاں'' کی تو علمائے کرام نے سارے حقوق مرد کو دے دیئے۔ اب بے چاری عورت آزاد ہونے کے لیے عدالتوں کے چکر لگا رہی ہے، اور مرد کھڑے کھڑے تین طلاقیں دے کر آزاد ہو جاتا ہے، کیونکہ علمائے کرام کے نزدیک نکاح کا بندھن مرد کے ہاتھ میں ہے۔ یہ مرد و عورت، دونوں کے ساتھ مساوی سلوک نہیں ہے۔ ہمارے رائج الوقت قانون نے البتہ طلاق کے حقوق کو شوہر کی رضامندی سے مشروط کرتے ہوئے بیوی کو تفویض کرنے کی منظوری کی شِق نکاح خانہ میں رکھ دی ہے۔

قرآن کی رو سے دونوں ایک دوسرے کو آزانہ طور پر نہیں چھوڑ سکتے۔ جب بھی میاں بیوی میں کشیدگی پیدا ہو، تو معاشرے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے، کیونکہ یہ دونوں جذبات میں الجھ گئے ہیں، آپس میں یہ طے نہیں کر سکیں گے اور بات بڑھتی چلی جائے گی۔ لہٰذا ایک تیسری پارٹی کا آنا ضروری ہو گیا۔ قرآن کہتا ہے کہ ایسی صورت میں ایک حَکم (ثالث) عورت کے خاندان سے اور ایک حَکم مرد کے خاندان سے ہو (4:35)۔ معلوم ہوا کہ یہ تیسری پارٹی مرد اور عورت کی طرف سے ایک ایک حَکم مقرر کرے گی۔ اگر نظام قبائلی طرز کا ہے اور حکومت نام کی کوئی چیز نہیں ہے، تو یہ تیسری پارٹی قبیلے کا سردار یا قبیلے کی پنچائیت ہوسکتی ہے، جو حَکم مقرر کرے۔ اگر معاشرہ ایک باقاعدہ حکومت کے تحت زندگی بسر کر رہا ہے، تو یہ تیسری پارٹی خود حکومت یا اس کی طرف سے نامزد کوئی اتھارٹی، یا عدالت ہوگی۔ بہرحال کشیدگی کو ختم کرنے کے لیے یا علیحدگی کا فیصلہ کرنے کے لیے ایک تیسری پارٹی کو درمیان میں آنا ہوگا۔ مصالحتی کوششوں کے بعد یا تو میاں بیوی

دوبارہ خوش اسلوبی کے ساتھ رہنے لگیں گے یا مصالحتی کوششوں کی ناکامی کی صورت میں تیسری پارٹی (عدالت) علیحدگی (طلاق) کا فیصلہ صادر فرما دے گی۔ یہ وہ مجاز شخص، یا پنچائیت یا عدالت ہے، جس کے ہاتھ میں بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ ط ''نکاح کا بندھن ہے۔ معلوم ہوا کہ نکاح کی گرہ نہ مرد کے ہاتھ میں ہے اور نہ عورت کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا اس سے شوہر کی طرف طلاق کے حق کو مختص نہیں کیا جا سکتا۔ سورہ النسا میں اس کی تفصیل ہے۔ یہ تیسری پارٹی فیصلہ دیتے ہوئے سوچے گی کہ کون کشیدگی کا اصل ذمہ دار ہے۔ یہ تیسری پارٹی بے قصور کو معاوضہ دلائے گی۔ بچوں کے تحفظ کا سوچے گی۔ نکاح کرتے وقت تو باہمی رضامندی سے چند گواہوں کی موجودگی میں رجسٹر فارم پُر کر کے، دستخط کرنے سے معاہدہ ہو جاتا ہے۔ بس دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ معاہدہ فارم میں کوئی خلاف قرآن اندراج نہ ہو۔ اس میں تیسری پارٹی نہیں آئے گی۔ لیکن معاہدے کو منقطع کرنے کے لیے قرآن کی رو سے، تیسری پارٹی کو ملوث کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ میاں بیوی اور بچوں اور پیدا ہونیوالے بچے کے حقوق کا تحفظ کیا جا سکے۔ ظاہر ہے کہ طلاق اور اس سے متعلقہ معاملات کا فیصلہ تیسری پارٹی (عدالت) ہی کرے گی۔

آخر میں اِس اُمید کے ساتھ اپنی معروضات کا اختتام کرتا ہوں کہ عائلی زندگی میں قرآن نے حقوقِ نسواں کے ضمن میں جو مرد و زن کے مساویانہ رویہ کا اظہار کیا ہے، وہ دنیا کے کسی مذہب میں نہیں پایا جاتا۔ شاید اسی بنا پر علامہ اقبال کہا کرتے تھے کہ:

اگر مَیں مُسلمان نہ ہوتا اور میرا ایمان نہ ہوتا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے، تو مَیں نے یہی سمجھنا تھا کہ یہ شاید کسی عورت کا لکھا ہوا کلام ہے۔

طلوع اسلام میں اشتہارات کے نئے ریٹس

جنوری 2015 سے طلوع اسلام میں چھپنے والے اشتہارات کے نئے ریٹ درجِ ذیل ہیں۔

ٹائٹل صفحات

	ماہانہ وار	سالانہ
بیک ٹائٹل بیرونی (چار رنگہ آرٹ پیپر)	6,000/- روپے	60,000/- روپے
اندرونی ٹائٹل (ایک رنگہ آرٹ پیپر)	4,000/- روپے	40,000/- روپے
اندرونی ٹائٹل (چار رنگہ آرٹ پیپر)	5,000/- روپے	50,000/- روپے

اندرونی صفحات

مکمل صفحہ (یک رنگہ)	3000/- روپے	30,000/- روپے
نصف صفحہ (یک رنگہ)	1500/- روپے	15,000/- روپے

مرثیہ کیوں؟

آپ گھر میں ہوں یا دفتر میں، بازار میں ہوں یا دکان پر، ریل پر ہوں یا بس میں، تانگے میں ہوں یا میٹرو پر، بارات میں ہوں یا جنازے کے ساتھ — جہاں کہیں دو مسلمان جمع ہوں وہ مسلمانوں کی عام حالت کے مرثیہ خواں نظر آئیں گے۔

پہلے تو صرف اتنا ہی کہا جاتا تھا کہ قوم میں سخت اَفلاس ہے۔ لوگوں کے پاس کھانے کو روٹی، پہننے کو کپڑا اور رہنے کو مکان نہیں۔ بیمار پڑ جائیں تو دوائی نہیں اور مر جائیں تو کفن دفن تک کے لئے پیسے نہیں۔ اب اس کے ساتھ اس کا بھی اضافہ ہوتا ہے کہ لوگ بد دیانت ہیں، بے ایمان ہیں، چور ہیں، جھوٹے ہیں۔ بلیک مارکیٹ، رشوت، نفع خوری، اعزّہ پروری اور اَقربا نوازی عام ہے۔ افراد سے آگے قوموں تک جایئے تو مسلمانوں کا تقریباً ہر ملک تباہ حال ہے۔ عوام میں جہالت اور غربت ہے، خواص خائن اور غدّار ہیں۔

یہ مرثیہ تو عام ہے لیکن کوئی یہ نہیں بتاتا کہ اس کی آخر وجہ کیا ہے؟

مسلمان کیوں ہر جگہ پستی اور ذلت میں ہیں؟

اگر آپ کو اس سوال سے دلچسپی ہے تو آپ یہ کتاب ضرور دیکھئے جس کا نام ہے:

اَسبابِ زوالِ اُمّت

کمپیوٹر کمپوزنگ اور کتابت کا حسین اِمتزاج | طباعت کا اعلیٰ ترین معیار

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) ○ 25 بی، گلبرگ 2، لاہور
tolueislam@gmail.com ; www.islamicdawn.com
www.facebook.com/tolueislam.trust
Phone: +92 42 35753666

Ramadan – Time to Unplug From the Matrix

By Mansoor Alam

Some religious scholars and Imams are accustomed to thinking of themselves as the representatives of Islam. They pass judgment on the rest of the Muslims and want them to follow their version of Islam. Those of certain political blocks have developed their own sectarian sharia and tell their followers that it is from God. Despite the fact that the Qur'an explicitly forbids Muslims from dividing themselves into sects (3:1013), the proponents of man-made sharia proclaim that being divided into sects is a blessing from God. In stark contrast to this, the Qur'an states that the Prophet (PBUH) has nothing to do with those who divide themselves into sects (6:159). Without considering the ramifications of this contradiction, many choose to follow the dictates of their fallible advisors, rather than looking to The Divine Guidance. Whether from fear of man's judgment or due to laziness, many are inclined to just move with the flow. This, of course, is easier than trying to discern what the Qur'an truly instructs us to do. First of all, it is imperative that we remind ourselves that it is only Allah's judgment that will determine the state of our souls. Having the conviction to follow the Qur'an is an act of spiritual determination and integrity. Following the herd or vain bleating of men is for the weak of heart or those seeking the vain glory of political status. This is a path for those not truly committed to or appreciative of The Divine Guidance that Allah has placed into our hands. If we simply engage with the Qur'an, we will see for ourselves that the Qur'an informs us that it *is* 100% Truth, 100% complete, 100% unchangeable, 100% eternal and given to us and protected by none other than Allah, The Almighty (2:2; 6:34; 6:115;15:9).

Our scholars and interpreters in support of status quo seek to ensure that our most sacred Divine Guidance remains dependent on the compiled books of men – men, we must note, who claimed to be neither perfect nor divine. Their assessments were based solely on mere *oral* narrations and within these narrations were a number of contradictions and many incompatible versions of events. Competing interpretations and political allegiances added an additional unholy aspect to what finally ended up in print. Who amongst us cannot recognize the hazards of inaccuracy and errors of bias that occur when word of mouth becomes the means for transmitting knowledge? It is a dangerous precedent for any human, with our subjective viewpoints and incumbent flaws and errors, to place our own wisdom equal to or even as a modifier to our most treasured sacred trust, our Qur'an. In the very height of error and arrogance, scholars of this vein have even the temerity to declare some verses of the Qur'an to be abrogated. Here, we must never lose sight of the fact that it is Allah who judges man and <u>not</u> man who judges Allah. Those

who overreach by this fatal error have sought to acquire for themselves the right to declare anyone infidel who does not conform to their view of Islam. It does not require a great deal of psychological insight to recognize that such aims reveal a lust for power and a striving for temporal political gain rather than a heartfelt desire to follow The Divine Message in its entirety. The overreachers furthered their distortion of Islam's genuine history by passing judgment on women as though women were mere objects not human beings. In order to achieve their aim, the overreachers had to ignore the Prophet's (PBUH) example and brush aside the laws of Allah, such as the laws He provided to ensure that women receive the respect and dignity they deserve (33:35). Thus, false doctrines have been set forth that are contrary to Qur'anic guidance and erringly presented to the masses as God's law or Sharia.

The altered sharia, well-suited to the ambitions of the overreachers, absolves kings from all sins. It gives them the right to have as many concubines as they wish. And, the rich can literally buy their way to Heaven according to this sharia.

More than 1200 years ago, Muslim kings thus derailed Islam from its pristine and open universal brotherhood of all Muslims, to a tiny minority comprised of a closed and elite brotherhood of kings, religious scholars, and capitalists. The vast majority of the Muslim masses were left alone to fend for themselves with a fake brotherhood, just for feeling good. Muslims were brainwashed into believing that by mechanically practicing the so-called five pillars they would go to Heaven while their worldly lives remained under the control and exploitation of kings, scholars and capitalists. The world of Islam was turned into other-worldliness and the masses were left to pray only for their salvation in the Hereafter. The essential structural foundation of Islam, as a vibrant, integrated, holistic community of faith, mutually beneficial to all, was sacrificed on the altar of ambition, as the elites could not take control until the masses were subdued and disempowered. Over time the errant doctrines of the elites became our core beliefs. This is the false Matrix under which we are still living.

We Muslims hold on to these core beliefs that have become deeply established over time. When we are presented with Qur'anic evidence that is against these beliefs, we do not accept this evidence because it creates a feeling in us that is extremely uncomfortable called cognitive dissonance. And because it is so important to protect these false core beliefs, we rationalize, ignore and even deny anything that doesn't fit in with them. For example, when we are presented with the Qur'anic evidence (30:31-32; 42:13) that creating sects in Islam is *Shirk* – the greatest sin – we tend to simply ignore it or brush this aside.

The Qur'an is the only true Sharia for Muslims according to Allah who proclaims: *And now have We set thee (O Muhammad) on a clear road (Sharia) of (Our) commandment; so follow it, and follow not the whims of those who know not.* -

Qur'an 45:18 [Pickthall translation]. This verse leaves no doubt that the Sharia, (the Qur'an) that the Prophet (PBUH) was commanded to follow - and hence Muslims, in turn, are supposed to follow - must provide a clear road (or code) for leading our individual as well as collective lives. Since Islam is universal in scope, its laws reflect that universality. Therefore, it is wrong to refer to a sharia that applies only to a particular group or sect as 'Islamic.' In fact, attaching the Islamic label to a sectarian sharia negates its very universality. Similarly, imposing the sharia of a particular sect (or Madhab) on all Muslims is also wrong because if we care about what Allah has instructed us, we know confidently that there is no compulsion in Islam (2:256).

Despite this, we remain plugged into the Matrix. The Matrix is a system. People inside the Matrix continue happily with their daily routine in stasis. Looking from the inside, what does one see; Imams touting the benefits of sharia and the five pillars; scholars giving lectures and writing books and giving fatwas confirming the status quo; businessmen, teachers, lawyers, doctors, and workers busy with their respective professions? Lost to the Matrix are these very minds that need to be changed to accept the truth of the original Qur'anic principles of life. But until someone with a spirit like Khalifa 'Umar can snap them out of this malaise, we remain plugged into this false Matrix established to numb us away from the true vitality and equity of Islam as it was originally established. To regain this, we must seek to comprehend the Qur'an in its pristine, universal, unaltered entirety. One has to understand that most of us are not ready to be unplugged from the Matrix. And, many of us have become so inured, so dependent on this false system that we fight tooth-and-nail to protect it. We do not take the trouble to find out what Islam was like prior to the matrix created by the trio (of kings, capitalists, and priesthood). Muslim masses, for far too long, have been brainwashed into accepting man-made laws falsely put forward as Allah's laws. The man-made sharia of the overreachers gives its proponents enormous powers and has established a stranglehold on the Muslim masses.

The month of Ramadan provides us with a perfect opportunity to unplug from the Matrix and rediscover our singular source of divine guidance. Those who fast do have to unplug from their daily physical routine anyway. Let this then provide an incentive to try to unplug from the Matrix as our Prophet (PBUH) and the Sahaba (R) did more than 1400 years ago. This is the month in which the Prophet (PBUH) and his companions fought for their own survival, and more importantly for the survival of Islam. The future of Islam was at stake in the first Ramadan on the battlefield of Badr. Islam is going through a similar crisis now and this Sunnah of the Prophet (PBUH) demands our attention. Millions of Muslims throughout the world continue to be killed, raped, tortured, humiliated, persecuted and dehumanized. The way things are developing right now, we do not seem that far

from the *Jaahiliyya* (ignorance) that existed in the world before the time of the Prophet (PBUH). This is also the month in which the Prophet (PBUH) and his companions re-entered Mecca as victors after eight years of refuge in Medina where they faced one military attack after another from the *Kuffar* and the *Mushrikun* (unbelievers and idol worshippers) of Mecca and their allies. This is the month in which the Ultimate Book of Allah began to be revealed to Prophet Muhammad (PBUH); this is the month of the Night of Power (*Laila-tul-Qadr*), which is better than a thousand months (97:1-3).

This is the month where we learn the value of *self-restraint* and seek to purify our souls. This is the month for prayer and fasting. This is the month for *glorifying* Allah and for being *grateful* to Allah for all of our blessings but most especially for expressing our gratitude to Allah for sending His ultimate guidance, the Qur'an, to humanity.

That is why Ramadan was meant to be a month of fasting, introspection, soul searching and remembering Allah with passion and intensity reminiscent of the companions of the Prophet (PBUH). It was meant to be an occasion for believers to go through a yearly, month long intensive training exercise of hardship and self-restraint. Ramadan is a time of spiritual purification and commitment to Allah. It is a time to learn discipline and the patience essential to Islam so that we are able not only to proclaim but also to establish the greatness and sovereignty of Allah in the world by facing bravely any challenges that might come our way. That is how the Prophet (PBUH) and his companions and the rightly guided Khalifas practiced Ramadan. And the results speak for themselves. Ramadan was never meant to be a few extra rituals and a short cut to heaven.

But even as ritual, Ramadan has become a burden on many Muslims. Many find it hard to fast. Some do find value in it for its health benefits while others have turned it into an occasion for feasting. While a billion poor Muslims live under what amounts to a yearlong fast, millions of others live under what amounts to a yearlong feast. How can people with this inclination establish the greatness of Allah? How can the *Allahu Akbar* of the indulgent have value in the sight of Allah?

We always do best when we go back to the Prophet (PBUH) and *Sahaaba* (R) and seek our inspiration from their example. We must look to what they were able to accomplish during Ramadan and follow in their footsteps. It is our responsibility to try to root out the causes of suffering for Muslims throughout the world and strive as early Muslims did to establish a consilience community-based institution for the benefit of all. It is difficult to follow the example of the Prophet (PBUH) in doing what he actually *did* do to change the world, and yet so easy for us to just sit back and praise him? Yet, we must not be deterred. Allah does not

need our empty praises. It is our solid actions that are essential to a genuine and vital Islam in the world. What do you think glorifies Allah more, our words of *Takbir* or our mindful actions to establish His *Takbir* in the world? Ramadan, in fact, was meant for Muslims to go through a program of training and exercise to be able to *do* just that. We were not to just do rituals and "finish" Ramadan as a means to earning reward in the Hereafter; and then carry on business as usual for the rest of the year. The training of Ramadan was meant to be training so that we'd realize and renew our commitment to strive for the values of life set forth in the Qur'an, every day of the year.

What our Prophet (PBUH) and his companions accomplished in 10 Ramadans and what the rightly guided Khalifas and their companions accomplished in 40 Ramadans, we have not even been able to maintain. In fact, we have squandered their accomplishments, altogether - despite practicing well over 1400 Ramadans since that time. What kind of Ramadan are we then practicing?

Another Ramadan has now come and as with the first Ramadan, the future of Islam is still at stake. Consider the immensity of our gift in The Divine Message of the Qur'an and seek to understand that this pristine message, in its entirety, far outshines and is far elevated above the interpretaions and musings applied to our sacred text by mere men. To understand this is to reassert Islam's authentic universality and equity. To understand this is to see that action is necessary to come to the aid of the many Muslims who suffer underneath the false Matrix that exists in the name of Islam. To understand this is to begin the process of unplugging from the Matrix. Go forth then with courage and a pure heart. And, may the blessings of Allah be with us all

اہم التماس

جن محترم قارئین طلوعِ اسلام کا سالانہ چندہ دسمبر 2015ء میں ختم ہو چکا ہے ان سے التماس ہے کہ وہ نئے نرخ نامہ کے مطابق، جو کہ اس شمارہ میں شامل ہے، ادارہ کے بینک اکاؤنٹ میں بذریعہ آن لائن یا بینک ڈرافٹ یا منی آرڈر منتقل کر دیں۔ چیک کی صورت میں اگر بینک لاہور سے باہر کا ہے تو سالانہ زرِ شرکت میں 200 روپے کا اضافہ فرمالیں جو کہ بینک سروس چارجز کے طور پر وصول کرتا ہے۔ ادارہ کے بینک اکاؤنٹ سے متعلق تفصیلی معلومات اندر کے سرورق پر درج ہیں۔ آپ کے اس تعاون سے ادارہ کا یہ واحد آرگن جاری وساری ہے۔ شکریہ

چیئرمین ادارہ

Surah *Al-Mutaffifin* (سورۃ المطففین)

Durus-al-Qur'an Parah 30: Chapter 19

By G. A. Parwez

(Translated by: Dr. Mansoor Alam)

My dear friends, today is September 28, 1984 and today's lecture starts with verse 14 of Surah *Al-Mutaffifin* (سورۃ المطففین).

The theme of the previous lecture continues. You know already that this Surah is about capitalists and about their objection and opposition against universal sustenance. Those who opposed this truth did not listen to any evidence or logic presented to them nor did they produce any evidence or logic of their own in support of their position. Their only reply defending status quo was that it has been coming to us from our ancestors and that we will to continue to tread in their footsteps. When they were told that you are talking about your ancestors but why don't you learn from historical records of destruction of those nations that had established a system such as yours? Their reply was that these are tales of the past; that these are not something that we have to learn any lesson from. Why was it that no matter how much logic or evidence was presented to them, it did not have any effect on them? Still, instead of dismissing it outright, at least they should have replied to this question based on their own logic or evidence. The Quran says: قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (27:64) – produce your evidence - if you truly believe in your claim![Asad]. But they never do. So, why is this mentality that they display? But, before I answer this, I would like to mention that the translations of the Quran that continue until today are based on the narrations and the interpretations of our ancestors. So, why does this mentality – that we will follow our ancestors; that we will not deviate from them – continue to dominate our minds and thoughts?

Are the objections of non-Muslims based on reality?

My dear friends, it is not only that we cannot understand the Quran from these translations but also that all the objections that non-Muslims hurl at Islam is, in fact, based on the "Islam" that continues to come from our ancestors and about that our scholars are so adamant that they force every Muslim to accept it as *the real* Islam. Our young generation is highly critical of this *ancestral* version of Islam, and they are, in fact, turning away from it. This is the reason for the

disconnection of our youth from this "Islam." That is why the Quran itself has prescribed: Understand its meaning using concordance. That means if one wants to understand the meaning of a verse then one needs to collect together all the verses of the Quran on the particular topic mentioned in that verse, and, then, the meaning of that verse automatically becomes absolutely clear. Then the Quran whose meaning has been shackled by our ancestors' translations is released from its ancestral chain. I had to bring this point now because the verse that is coming will become clear only through this process of concordance. Otherwise, the traditional meaning does not make sense to anyone who is fortunate enough to have had his colored ancestral glass removed from his mind's eyes. Right in the beginning of the Quran we have this verse: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (2:2) – THIS DIVINE WRIT - let there be no doubt about it is [meant to be] a guidance for all the مُتَّقِينَ (*Muttaqin* or God-conscious) [Asad]. This means that this guidance is for those who are already مُتَّقِينَ (*Muttaqin*). But, if someone is already مُتَّقِينَ (*Muttaqin*) then why does he need guidance. They are already مُتَّقِينَ (*Muttaqin*) or guided. From this it implies that this guidance therefore is not for those who are not مُتَّقِينَ (*Muttaqin*) or not guided.

Does it make sense to guide someone who is already guided?

What is the purpose of a guidebook for those who are already مُتَّقِينَ (*Muttaqin*) or guided. Is this the use of the Quran? Do you see that, right in the beginning of the Quran, where does the traditional translation, done under the auspices of our ancestors, lead us? And then the Quran continues: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (2:6) – BEHOLD, as for those who are bent on denying the truth - it is all one to them whether thou warnest them or dost not warn them: they will not believe [Asad]. So, the situation is this: the guidance is for the مُتَّقِينَ (*Muttaqin*) or the guided; and those who are كفّار (*Kuffar* – those who deny the truth) will not believe whether or not they are warned; so, there is no use to convince them about the truth of Islam. Why? Because: خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (2:7) – God has sealed their hearts and their hearing, and over their eyes is a veil; and awesome suffering awaits them [Asad]. Do you notice what kind of contradictory meaning comes out from the traditional translation? If God has sealed their hearts and minds and because of that they are helpless to accept the truth then why is God punishing them with severe punishment? This kind of confusion in understanding the Quran arises because we accept without critical examination what has been passed on to us by our اسلاف (*Aslaaf* – ancestors). We do not try to question or criticize what

they have interpreted because somehow it is taken as disrespect to our ancestors even though what they may have written does not make any logical sense or what they have written goes against even the Quran?

An issue worth pondering

It is a strange concept that God has sealed their hearts; that He has usurped their ability to think; that He told His messenger whether or not you give your message to them it is useless anyway – they are not going to understand it because their ability for thinking has been taken away. If that is the case then why is God saying here that "awesome suffering awaits them?" It must be surprising to you as to why I am having this out-of-the-traditional-box thought; and that why am I emphasizing this so much to you? Well, I am doing this because the Quran itself says that you must ponder in the Quran; that you must try to understand the Quran using intellect and thought. So, if one uses his intellect then one will face two contradictory points in this translation: First, if God has sealed their hearts then why the punishment? Second, what kind of concept of God does emerge from this traditional translation? Forget about that the Quran is the final Book of God. If one were to read this kind of a book consisting of contradictions then one will throw that book away.

The proper way to understand the Quran

This whole issue of contradiction stems from the fact that we do not use the proper way – the way that the Quran itself has suggested to understand the Quran. This way is through Quranic concordance. The Quran loudly proclaims that one can understand it using this approach. Although I am hesitant to bring myself into this picture but that is the way I have understood the Quran. I have spent almost all my life in this process and I can say with 100% confidence that, with the Grace of Allah, there is not a single verse in the Quran that I am not able to understand using this method of Quranic concordance. When I want to understand a particular verse I collect all the related verses on the topic mentioned in that verse; and then these other verses explain the meaning of the original verse in front of me. The Quran thus explains itself.

Now, the reason I have presented this long introductory remark is to prove this point: how the Quran explains itself clearly and logically without any contradictions, without any external source. Take for example the above verses (2:6) and (2:7) whose traditional translation creates confusion and contradiction: the messenger works so hard to explain Our message to them but they outright reject it. They could try to criticize it using intellect and

knowledge and reject it based on logic and reason. They could produce some logical evidence for their rejection? At least that would have been understandable. But the traditional translation gives them the excuse for not understanding: If God Himself has sealed our hearts and minds and usurped our cognitive capabilities then how can we understand? But how the sealing of the heart occurs is explained in today's verse (83:14). If we had this verse in front of us when deciding the meaning of verses (2:6-2:7) then this would have removed the contradiction that we are talking about. كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ (83:14) – Nay, but their hearts are corroded by all [the evil] that they were wont to do! [Asad]. That is, their actions themselves resulted in sealing their hearts. Now, the meaning becomes completely clear. There is no confusion anymore. It is not God that does it but their bad actions put this seal of rust on their hearts. Now, it remains to see why then God attributes this to Himself in verse (2:7). Please remember that Allah attributes to Himself things that happen according to His laws. For example, Humans themselves produce children but Allah attributes this to Himself that We grant son or daughter to whomever We want. This is a way to explain that everything happens according to the laws of Allah. So, the way to understand is that whenever Allah says that We do something it means that His law does it. So, to explain verse (2:7), instead of saying that Allah sealed their hearts it is better to say that the law of Allah sealed their hearts. This way the contradiction in the traditional translation is removed and the objection and confusion are gone. It is not that I am saying that this meaning is mine but that the meaning of verse (2:7) becomes completely clear in light of the verse (83:14). The actions performed determine who one really is in terms of one's behavior and mindset. It is not Allah who seals the heart personally but His law does it – i.e., what you sow is what you reap. It is their own actions that sealed their hearts; and thus they lost the ability to understand because of their own intransigent behavior. And therefore the punishment they will receive is justified because of their wrong deeds. One reaps the fruits of one's own actions. Using the method of concordance is thus the way to understand the Quran. If one plugs ones ears one will not hear what is being said; if one closes one's eyes then one will not see anything even if the Sun is shining brightly.

One way of saying this will be that God produced darkness because you closed your eyes. Another way will be to say that whosoever closes his eyes the result will be darkness. And: وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (2:7) – and awesome suffering awaits them

[Asad]. Those who choose wrong path are bound to fall into the pit of darkness. This is the way – the method of concordance – to understand the Quran my friends. And I chose this method for my own understanding of the Quran and no confusion arises anywhere. The Quran clarifies itself. Allah has made His Book very clear to understand. There is no need of any external source of light because the Quran itself is light. One does not search for the Sun with a lamp.

Allah does not punish humans; they face the consequences of their own actions

The Quran asserts that whosoever will work hard to try to understand it will find out the truth of its claim: that it explains itself. Here it says: كَلَّا (83:14) – no, it is not like what you think that God has put seal on their hearts. But بَلْ (83:14) the reality is: رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (83:14) – what do they do that itself becomes the rust on their hearts. This is the result of their own actions not something that comes from outside. As I said before, those who close their eyes will deprive themselves of light. That is why the next verse says: كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ(83:15) – Nay, verily, from [the grace of] their Sustainer shall they on that Day be debarred. They will be deprived of the benefits of nature if they close they close their eyes to it. Although the meaning of حجاب (*Hijab*) is curtain but محجوب (*Mahjoob*) means to become deprived. So, those who close their eyes become deprived of the benefits of light. What is this deprivation? In order to understand this question we have to know the purpose of Quran's teaching – the evolution of humanity as a whole: physically, mentally, physiologically, emotionally, as well as at the level of human self. The human evolution according to the Quran lifts humanity and moves it forward to higher and higher levels. This will happen by following the laws and principles of Allah.

To remain stuck at one place *is* the punishment

My dear friends, when humans abandon the obedience of the laws of Allah; when they abandon thinking and intellectual endeavor – then the result is stagnation and decadence at the individual as well as at the collective level. The caravan of life then stops moving. This is what has been called the عَذَابٌ or punishment. ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ (83:16) – Further, they will enter the Fire of Hell [Asad]. We translate both جَحِيمِ (*Jaheeem*) and جَهَنَّمُ (*Jahannam*) as Hell. But this translation does not bring out the true meaning of what the Quran wants to convey. The root meaning of جَحِيمِ (*Jaheeem*) is to get stuck; to not being able to move forward; to remain stagnant. So, those who do not use the Allah-given

abilities to think and ponder but simply follow blindly what has passed on by اسلاف (*Aslaaf* – ancestors) – they stagnate and languish in darkness. Our pondering stopped more than thousand years ago. But the Quran emphasizes again and again the importance of thought and understanding. The Quran's emphasis of using thought and intellect is not limited to only certain personalities of certain time but that it is for all of humanity until the Day of Judgment. Using thought and intellect is duty of every human being. If a tradition stops human beings from thinking then it drives them towards Hell. Our اسلاف (*Aslaaf* – ancestors) are greatly respected for their knowledge and understanding but the knowledge and understanding did not stop with them? Life continues to move forward. And, as life moves forward, knowledge keeps advancing. The Prophethood ended with our Prophet (PBUH) but the Quran is forever protected until the Day of Judgment. But since we took the knowledge and understanding of our ancestors as the final word our knowledge and understanding ended thousand years ago and our thinking became frozen in time of our ancestors. But other nations kept moving forward higher and higher in their evolution of thought and understanding and we remain stuck in thousand year old thought.

The concept of sky in the light of hadith

My dear friends, according to our اسلاف (*Aslaaf* – ancestors) this hadith is attributed to the Prophet (PBUH) that the sky is a sheet of glass and the stars are pearls embedded in it and there are seven skies like this each of which are separated by five hundred miles. If we accept this concept then the door of our thinking and intellectual pursuit becomes shut.

Even today this thinking is prevalent in following the اسلاف (*Aslaaf* – ancestors): کل خیر فی اتّباعُ سلف – all virtue is in following the ancestors. That is, our belief is our whatever the ancestors have said is *the* last word. The result is that even today the Chancellor of Medina University says that the Earth does not move. It is stationary. He says that if anyone who believes that the Earth is moving is an apostate and should be hanged. Why is he saying this? – Because thousand years ago this was mentioned in a hadith; because it was written in our *Tafsir* (interpretation) of the Quran. What would you say about this, my friends? How can intellectual progress occur with such a belief? How can such a nation compete with other nations in the field of knowledge with such belief? It is obvious that such a nation would be left behind in the race of knowledge and human advancement. But that is not all. There is a much more important point to note here: It is the law of nature that if certain human faculty is not

used then Nature discards it. Modern research has proven that once bats had eyes. They stopped using their eyes then Nature found that eyes are useless to them; so it took away their eyes.

My dear friends! If a certain nation does not use the faculty of thought and understanding for centuries, then, if this faculty is not taken away it is certainly rendered useless. If such a nation has this belief that whatever has been thought thousand years ago is sacrosanct; that further thought is forbidden; that further thought leads to apostasy – then Nature would think that giving the faculty of thought to this nation is useless; that it is better to give it to some other nation who will use this faculty. This is the reason the Quran says that a nation who abandons its faculty of though and understanding remains in جَحِيم (*Jaheeem*); that it remains stuck at the same place where it was when it abandoned its faculty of critical thinking. While we have been stuck and steadily been sinking deeper and deeper into our self-created marsh other nations have risen higher and higher on the evolutionary ladder of creativity and knowledge. The Quran says: وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ (2:170) – When it is said to them: "Follow what Allah has revealed:" They say: "Nay! We shall follow the ways of our fathers." What! Even though their fathers were void of wisdom and guidance? [Yusuf Ali]. The result is: صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (2:171) – Deaf are they, and dumb, and blind: for they do not use their reason [Asad]. You can call this as self-inflicted punishment or you can call this the result of their behavior! Whatever you can call but this is the rust that gets deposited on the hearts of a people who say that whatever was to be thought has been thought before by our ancestors; and that new thinking is forbidden in matters of <u>*Deen*</u> or Sharia. The result is that such people remain stuck at the same place and lose the capacity to move forward.

The unspeakable condition of Muslim *Ummah*

My dear friends, there are more than 60 Muslim countries in the world comprising of more than billion Muslims. There is a sea storm of Muslims from Morocco all the way to Indonesia. But have you ever thought about why they are the most downtrodden and humiliated people in the world? The root cause of this is that they have abandoned critical thinking. Whoever says something about Islam the first question is: has anyone said this before? If one provides reference from the past then it is acceptable; if not, then it is not acceptable and it is considered a deviation in Islam. If this is the situation of Muslims that they want to remain stuck; that they want to remain in جَحِيم (*Jaheeem*) – is it any wonder then that they are the most subjugated and

disgraced people in the world despite their huge number? When astronauts went to the moon many religious scholars said that this is a lie; that no way anyone can go to moon. This is our collected جَحِیم (*Jaheeem*) that we are in. The Quran says: ثُمَّ یُقَالُ ھٰذَا الَّذِیْ کُنْتُمْ بِہٖ تُکَذِّبُوْنَ (83:17) – Further, it will be said to them: This is the (reality) which ye rejected as false [Yusuf Ali]. This is the result of your belying the truth: You used to belie the law of requital but now do you see the result of your behavior from your eyes? This was one group or category of people. The Quran, as I have said, presents in these verses the steps through which humans go through to reach the final destination.

The Quran's system *will* prevail ultimately

My dear friends, the Quran has claimed – and this is our belief – that its system will finally prevail over all other systems of the world. The Quran has mentioned some signs of that period in which this extraordinary revolution will occur. It says: یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (83:6) – The day when humankind will rise up for universal nurturing and sustenance. Then the humanity will be split into clear-cut groups. The first group will be the one described above as stuck in جَحِیم (*Jaheeem*) whose destiny will be destruction. In contrast there will be another group: کَلَّآ اِنَّ کِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِیْ عِلِّیِّیْنَ (82:18) – NAY, VERILY - the record of the truly virtuous is [set down] in a mode most lofty![Asad]. The first group was going downward into the pit of destruction – these were the سِجِّینٍ (*Sijjin*) as mentioned in verse (83:7). And this, the second group, is moving upward higher and higher – these are the عِلِّیِّینَ (*Illiyin*). We had seen the meaning of اِبرار (*Abrar*) earlier in a previous lecture where I had explained it in detail. The word "اِبرار" comes from بِر (*Birr*) which is normally translated as piety, and which creates a particular concept in our minds. But every word that Quran uses has very deep meaning. When I had discussed this word earlier I had mentioned its meaning as opposite of miserliness or narrow mindedness, which is a crime in the eyes of the Quran. Opposed to this are those who are broadminded and gracious – these are اِبرار (*Abrar*) who will remove the narrow boundaries that divide human beings, and will try to create a universal brotherhood of humankind. All this meaning is contained in this one word اِبرار (*Abrar*) . The Quran clarifies it further: لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (2:177) – True piety does not consist in turning your faces towards the east or the west [Asad].

The meaning of اِبرار (*Abrar*) according to the Quran

My dear friends, the Quran has said that اِبرار (*Abrar*) are those who, despite the love of wealth, keep it open for the needs of others. This is the first sign of بِر

(*Birr*): Grace and broadmindedness. This demolishes the class distinction of dividing the human race. So much depth and breadth is embedded in this just one word بِرّ (*Birr*). If it is translated as "piety" then we do not get true concept of its meaning. And the اَبرار (*Abrar*) are the عِلّیّین (*Illiyin*), the loftiest. But please note that this loftiness is not something related to physical space or time. This is actually related to state of human condition.

Meaning of مقرّب (*Muqarrab*)

What is عِلّیّین (*Illiyin*)? The Quran itself tells: وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ (83:19) – And what will explain to thee what *'Illiyun* is? Is it a place? Is it a country? Is it a physical thing? The Quran says it is none of this but: كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ (83:20) – This is a book of records. This is a book of their deeds. It was said earlier about the first group that their hearts have rusted; that they are stuck. But this one is just the opposite: it is sum total of the record of their deeds; it is the imprint on their personality of the cumulative result of their deeds. And it is not something abstract that it cannot be seen but: يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ (83:21) – witnessed by all who have [ever] been drawn close unto God [Asad]. This, unfortunately, has led to our tradition concept of being closer to God as those who roam around as mystics or as holy spiritual saints performing miracles. We created this category of people who are considered to be closer to God. If we accept this then we have to also accept that God is situated in a place that is nearer or farther in distance. I have spent a better part of my life in these valleys of saints. The way these holy people discourse is as if they go every night and sit with God and converse with Him freely and playfully. But being closer to God does not mean being nearness to Him in physical terms.

What is nearness? Allah, the Almighty, Himself has explained that nearness to Him means to "acquire His color" which is a phrase for harmonizing one's life with divine attributes; to imbibe in one's life the divine attributes within human limitation so that these attributes are reflected in a believer's character and behavior in human society. For, example Allah has called Himself رازق (*Raaziq*) or provider of sustenance to all of humanity, so a believer should reflect this attribute in human society as a provider of sustenance to others. Allah has called Himself عزیز (*Aziz*) or powerful, so a believer should reflect this attribute in human society as being powerful enough to protect the weaker souls of the society. The same holds for all the attributes except the infinite attributes that are exclusive to Allah alone, e.g., the attributes related to eternity. Imbibing the true attributes of Allah in our own character is the only way to gain nearness to Him. These are the believers who carry out the

eternity. Imbibing the true attributes of Allah in our own character is the only way to gain nearness to Him. These are the believers who carry out the responsibilities that Allah has entrusted to them for realizing these attributes in humanity society. This is not something that can be done alone leading a monastic life where others work to feed and support these supposedly godly people. This is not the case at all. Imbibing the attributes of Allah in one's character puts a grand burden of responsibility on the shoulders of believers because they are the ones who carry out Allah's mission in this world. Allah fulfils His responsibilities that He has undertaken upon Himself for human beings through the hands of the believers. This is the meaning of being near to Allah. People think that being Muslim is easy. Well, it is not something abstract that it cannot be seen. It is to be: يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ (83:21) – witnessed by all who have [ever] been drawn close unto God [Asad]. Then they – those nearness to Allah – see the what عِلِّيِّيْنَ (*Illiyin*) is; what place do عِلِّيُّوْنَ (*Illiyun*) occupy; what lofty position those who have emulated the attributes of Allah occupy in human society? Those who emulate the attributes of Allah in their character go through such a transformative evolutionary phase in their personality that they are able to see their lofty position in the Universe. This is the state of feeling of those who are the ابرار (*Abrar*): اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ (83:22) – Truly the Righteous will be in Bliss [Yusuf Ali].

Meaning of نَعِيمٍ (*Na'eem*)

The Quran has said right in its beginning: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ (1:5-1:6) – Guide us the straight way. The way of those upon whom Thou hast bestowed Thy blessings [Asad]. The word "أَنعَمتَ" (*An-'Amta*) appears in the verse (1:6). "أَنعَمتَ" (*An-'Amta*), نَعِيمٍ (*Na'eem*), نعَم (*Na'am*) – all these words are derived from the same root ن - ع - م which means: something life-giving and free flowing like water; and delicate, fragrant, and suffusing like fragrance; something being hard as stone and soft as flower petal; something that provides loftiness and reverence. The Arab people designed an amazing language having opposite and contrasting qualities in single words. So, the question is: what were the duties and responsibilities of the people endowed with these special and contrasting qualities? You can very well imagine that even today cool, clean, and refreshing water will be a blessing but definitely more so in Arabian desert. And منعم (*Mun'am*) is one who used to stand on a well containing such water and call thirsty people to drink of this water for free. These were the type of Arab people and this was their language! Amazing! The Quran could be revealed only in such a language, my friends.

The Quran says here: اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ(83:22). Well, it has said everything in this, just one word نَعِیْمٍ(*Na'eem*): which has within it the contrasting qualities of hard as rock and soft as flower; and the qualities of loftiness of a mountain and of vitality of a flowing river. What is the duty of those endowed with such contrasting qualities? It is to call on thirsty people and provide them with life-giving cool refreshing water for free. *Allahu Akbar*! These are the people who deeply yearn to follow the straightway: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ (1:5). Their duty is not to sit and pray in a room and recite the names of Allah on a rosary but: عَلَی الْاَرَآئِكِ یَنْظُرُوْنَ (83:23) – On Thrones (of Dignity) will they command a sight (of all things). They will be sitting on thrones of power and authority in *this* world. This is one of the signs of such people of نَعِیْمٍ (*Na'eem*). But our ancestral scholars, whom we consider infallible, have essentially destroyed this concept of such people of نَعِیْمٍ exercising power and authority in this world. Their concept is that this world is a prison and we must renounce it. The more and more one renounces this material world the more and more one's spirituality keeps rising higher and higher. Therefore, to them the worldly power, the worldly ruling and governance is meaningless. They say that you become a straw in a mosque so that if people crush you they do not even feel it. On the other hand, the Quran says that they will be sitting on the throne of power and authority in the world. But it also says that while they are sitting on the throne of power and authority they will not be blinded by the arrogance of power. They will ever be watchful of who is doing what: عَلَی الْاَرَآئِكِ یَنْظُرُوْنَ (83:23) – On Thrones (of Dignity) will they command a sight (of all things). This is so because: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ (2:143) – Thus, have We made of you an *Ummat* justly balanced, that ye might be witnesses over the nations [Yusuf Ali]. This is what is called the Islamic authority and governance. And: شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ(2:143) – this nation is entrusted with the responsibly to watch over all the other nations of the world to observe as to who is doing what and why. If it finds a nation on a wrong path then it immediately corrects that nation. By using the word یَنْظُرُوْنَ (*Yunzurun*) the Quran tells that this nation will be watching other nations all the time making sure they do not deviate from the straight and balanced way. This is possible only because they possess the power and authority to do so. Another way of expressing this is metaphorically: that they will be sitting on thrones of authority. But their power and authority is to have a watchful eye on rest of the world whether or not they are complying with universal justice. This is in unlike those nations

who get out of control once they taste power and authority. Iqbal had this rare God-given gift of expressing this in his own beautiful way:

It is harder to improve the human world than to rule over it;
It is only when one suffers that one acquires the vision for it.

This is the vision of state authority of *Momineen*:– to improve the human condition globally no matter how much they have to suffer personally themselves. After gaining authority they have ever watchful eyes on the human world. While they are enthroned on the seat of power and authority, they shall keep everything around them in their sight. In other words they will have the quality of insight and vision, to see and oversee. This is the characteristic of *Momineen* who are closer to Allah and are نَعِيمٍ (*Na'eem*):تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ(83:24) – their faces will reflect the delight produced by these gratifying comforts and pleasures.

The face reflects the state of the heart

My dear friends! let us look into modern psychology. All the comforts and pleasures that the *Momineen* will have will be concrete and tangible and visible. The picture that the Quran has given of the Heaven is a model of these comforts and pleasures. No nation has been able to even visualize it even though it may claim itself to be prosperous. But these tangible things of comforts are material and visible. These do not provide bliss in the heart by themselves. But *Momineen* use these things of comfort and pleasure according to the divine laws which then provides blissful feeling in their heart. But these feelings are not easily perceptible and what the Quran says in verse (83:24) regarding this aspect the modern psychology is only able to explain now:تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ(83:24) – their faces will reflect the delight produced by these gratifying comforts and pleasures. Modern psychology is being used in courts now to identify the internal state of feeling of a person from his facial expressions. The Quran said this 1400 years ago what modern psychology has revealed only in this age – that of identifying criminals in courts based on their facial expressions: يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ (55:41) – Criminals will be recognized by their foreheads. And in verse (83:24) the Quran says that similarly *Momineen* will be recognized by the reflection on their faces of the calm and blissful state of their heart. The Quran produces warmth and energy in life. To tread on life's journey these energy boosters are essential. The evolutionary journey proceeds to higher levels only this way.

The theory of evolution requires clash and overcoming of obstacles on its way. If life overcomes the obstacles in its way then it moves to the next stage. It is

obvious that for life's evolutionary forward movement energy and power and authority are required. Weakness, lack of authority and lack of power are signs of defeat. The Quran explains this in its unique metaphorical style. All the descriptions of heaven in the Quran are given in a metaphorical way. It clarifies this explicitly by saying: … مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ (13:35) – the example of heaven is ... The same metaphorical style the Quran uses to describe the heavenly condition that the *Momineen* create in this world. It presents its descriptions of heaven whether of this world or of the Hereafter always as examples. And these metaphors and examples through which the Quran presents its description of heaven have their own unique highly literary and beautiful style. Most famous experts of Arabic literature have not been able to produce even a short piece of text approaching anywhere near the literary beauty and excellence of the Quran. What to say of this my friends! – What makes their faces glow and radiate light? It is because the warmth and flow of their blood goes up! A poet says of this feeling in his own style:

How can I describe the beautiful and unique taste of wine, O pious one?
You never drank, so how can you know its unique taste, O ignorant one!

How wonderful! However, we only hear the words of the wine that Quran mentions. But those glowing faces that it describes, how unfortunate for us that they are completely absent from amongst our midst. We can only imagine what the Quran has said about them: يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ (83:25) – They will be given a drink of pure wine whereon the seal [of God] will have been set. رَّحِيقٍ (*Raheeq*) is pure wine which does not have any smell of شِرْكٌ (*Shirk*) or adultery. It is well known that if the wine bottle is not sealed airtight then air leaks into it and destroys the intensity and potency of the wine.

The characteristics of the wine mentioned by the Quran

My dear friends, the Quran mentions a pure wine with perfect seal so that it remains protected completely. It also means the Quran's message remains completely sealed and protected as this is the final message and that no corruption or adulteration can occur in this message; and that Prophet Muhammad (PBUH) is the seal of all the Prophets (PBUT) from Allah. This seal is very special: خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ (83:26) – pouring forth with a fragrance of musk. To that [wine of paradise], then, let all such aspire as [are willing to] aspire to things of high account [Asad]. You may have heard of musk and saffron in Greek medicine. They provide energy and are used as medicines for paralysis. What is the purpose that the Quran is talking about pure wine and seal of musk? What happens after drinking this wine? People

normally lose their balance and falter after drinking wine. But this wine that the Quran talks about boosts energy of its nation to move forward and higher compared to other nations. If you want to move up on the ladder of evolution then come and drink of this Quranic wine. Life is not static but dynamic. It is to move ahead to new and higher destinations in the stage of evolution – both individually and collectively as a nation. This is the life of heaven. Human beings will be bursting with extraordinary new energy to move ahead from imbibing the attributes of Allah. This moving ahead will be of two types. This needs further explanation.

My dear friends, the time is up for today's lecture. We reached up to verse 25 of *Al-Mutaffifin* (**سورۃ المطففین**). We will take up verse 26 in our next lecture.

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

O our Sustainer! Accept our humble efforts because you are fully aware of what we speak and what is hidden in our hearts. (2:127)

معزز صارف!

محکمہ ڈاک 1892ء سے لیکر آج تک اس خطے میں آپ کی خدمت کے لئے کوشاں ہے۔ ماضی میں ہر مشکل وقت میں محکمہ ڈاک نے عوام الناس کی بے پناہ خدمت کی ہے اور اُسی جذبہ کو برقرار رکھتے ہوئے ہم آپ کی مزید خدمت کرنا چاہتے ہیں موجودہ دور میں محکمہ ڈاک کو بڑے چیلنجز کا سامنا ہے۔ اس تناظر میں محکمہ ڈاک نے آپ کی خدمت کے لیے اپنا دائرہ کار وسیع کیا ہے۔ اب آپ:

- بجلی، گیس، پانی اور ٹیلی فون کے بل اپنے قریب ترین ڈاکخانہ میں جمع کرا سکتے ہیں۔
- اپنے پیاروں کے بیرونِ ملک سے بھیجے گئے پیسے ویسٹرن یونین کے ذریعے مقرر کردہ ڈاکخانوں سے وصول کیے جا سکتے ہیں۔
- رقم کی منتقلی اب برقی اور فیکس منی آرڈر کے ذریعے فوری طور پر ممکن ہے۔
- ارجنٹ میل سروس کے ذریعے اپنی ڈاک پورے ملک میں پہنچائیں۔
- وی۔ پی۔ پارسل/ لیٹر کے ذریعے اپنے کاروبار کو مزید مستحکم کر سکتے ہیں۔
- اپنی پوری عمر کی جمع پونجی اور بچت قریب ترین ڈاکخانے میں سیونگ بنک میں جمع کروا سکتے ہیں۔
- آپ سے التماس ہے کہ آپ قریب ترین ڈاکخانہ میں تشریف لا کر خدمت کا موقع دیں۔

شکایات کے ازالے کے لیے مندرجہ ذیل فون نمبرز پر صبح 09:00 بجے سے شام 08:00 بجے تک رابطہ کر سکتے ہیں۔

Ph:042-99210971, 042-99239794 Cell:0321-6772525, 0335-6161400
Fax: 042-99211323 Email: ccpmgpunjab@yahoo.com

نوٹ: یہ اشتہار محکمہ ڈاک پنجاب کی طرف سے دیا جا رہا ہے۔ آپ کے تعاون کے لیے شکر گزار محکمہ ڈاک

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں رائج تھا۔ یعنی قرآن کریم کے احکام وقوانین کی اطاعت اور جن امور میں قرآن کریم نے صرف اصول دیئے ہیں ان کی چار دیواری کے اندر امت کے مشورہ سے متعلقہ امور کے فیصلے۔ اس طریق کو خلافت علیٰ منہاج رسالت کہا جاتا ہے۔

8- بدقسمتی سے خلافت علیٰ منہاج رسالت کا یہ سلسلہ کچھ عرصہ کے بعد منقطع ہوگیا اور دین کا نظام باقی نہ رہا۔ اس سے امت میں انتشار پیدا ہوگیا۔ خلافت کے زمانے میں تمام امورِ دین کے نظام کے تابع رہتے تھے۔ لیکن بعد میں مذہب اور سیاست میں ثنویت پیدا ہوگئی۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری ہے۔

9- ہمارے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ پھر سے خلافت علیٰ منہاج رسالت کا سلسلہ قائم کیا جائے جو امت کو احکام وقوانین خداوندی کے مطابق چلائے۔ اس نظام کی بلند ترین اتھارٹی کو مرکز ملت کہا جائے گا اور اس کی طرف سے جاری شدہ احکام کی اطاعت خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت کے قائم مقام قرار پائے گی۔ ظاہر ہے کہ اس نظام کو چلانے والوں کی اپنی زندگی سب سے پہلے قوانین خداوندی کے تابع ہوگی۔

10- چونکہ دین کا نظام (خلافت علیٰ منہاج رسالت) زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہوگا' اس لئے اس میں موجودہ ثنویت ختم ہوجائے گی۔ یعنی اس میں یہ نہیں ہوگا کہ سیاسی معاملات کے لئے حکومت کی طرف رجوع کیا جائے اور مذہبی یا شخصی امور کے لئے مذہبی پیشوائیت کی طرف۔ اس میں یہ دونوں شعبے باہم گرمدغم ہوجائیں گے۔

11- جب تک اس قسم کا نظام قائم نہیں ہوجاتا' امت کے مختلف فرقے جس جس طریق پر نماز' روزہ وغیرہ اسلامی احکام پر عمل کررہے ہیں' کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ ان میں کوئی ردوبدل کرے یا کوئی نیا طریقہ وضع کرکے اسے ''خدا اور رسول ﷺ'' کا طریقہ قرار دے۔ یہ حق قرآنی نظام (خلافت علیٰ منہاج رسالت) کو پہنچتا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ امت کے اختلافات کو مٹا کر اس میں وحدت پیدا کرے۔

12- قرآنی نظام کا مقصود یہ ہے کہ خدا کی متعین کردہ مستقل اقدار کے مطابق انسان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ نظام تمام افرادِ معاشرہ کی بنیادی ضروریات زندگی' روٹی' کپڑا' مکان' علاج' تعلیم وغیرہ بہم پہنچانے کا ذمہ دار ہو۔

13- قرآن کا نظام اپنی نوعیت کا واحد اور منفرد نظام ہے اس لئے نہ وہ دنیا کے کسی اور نظام میں جذب ہوسکتا ہے نہ ان سے مفاہمت کرسکتا ہے۔ خواہ وہ مغرب کا جمہوری سرمایہ دارانہ نظام ہو' یا سوشلزم کا آمرانہ اشتراکی نظام۔ اس کے نزدیک یہ سب نظام ہائے زندگی غیر خداوندی ہیں لہٰذا باطل۔

14- جہاں تک احادیث کا تعلق ہے ہم ہر اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں جو قرآن کریم کے مطابق ہو' یا جس سے حضور نبی اکرم ﷺ یا صحابہ کبارؓ کی سیرت داغدار نہ ہوتی ہو۔

15- ہم' رسول اللہ ﷺ کے بعد' ہر قسم کے مدعی وحی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

16- طلوع اسلام کا تعلق نہ کسی سیاسی پارٹی سے ہے نہ مذہبی فرقہ سے (اسے فرقہ اہل قرآن سے بھی کوئی تعلق نہیں)' نہ ہی یہ کوئی نیا فرقہ پیدا کرنا چاہتا ہے اس لئے کہ اس کے نزدیک دین میں فرقہ سازی شرک ہے۔ امت کے مختلف فرقے جس طریق سے نماز' روزہ وغیرہ کی ادائیگی کرتے ہیں' ہم ان میں کسی قسم کا ردوبدل نہیں کرتے۔ ہم صرف قرآن کریم کی تعلیم کو عام کرتے ہیں تاکہ کسی طرح پھر سے قرآنی نظام (خلافت علیٰ منہاج رسالت) کا قیام عمل میں آسکے۔ یہ ہے ہمارا مقصد' جسے ہم برسوں سے دہراتے چلے آرہے ہیں۔

(اشاعت کے لئے محترم ڈاکٹر انعام الحق نے تعاون کیا ہے۔)

PUBLISHED SINCE 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL NO. 28
VOL.69
ISSUE
6

Monthly
TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546 , 042-35753666
E-mail:idarati@gmail.com
web:www.toluislam.com www.facebook.com/talueislam/

ہم نے تیری طرف جو یہ ضابطۂ حیات نازل کیا ہے، اس کا ہر دعویٰ حقیقت پر مبنی ہے اور اس کا مقصد نوع انسان کی بھلائی ہے۔ جو شخص اس کے مطابق زندگی بسر کرے گا اس کا فائدہ خود اسی کو ہوگا اور جو اسے چھوڑ کر غلط راستہ اختیار کر لے گا تو اس کا نقصان بھی اسی کو ہوگا۔ (اب یہ ان کے اپنے فیصلے پر منحصر ہے کہ یہ کون سا راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں) تو ان پر داروغہ مقرر نہیں کیا گیا (کہ انہیں زبردستی سیدھی راہ پر چلائے)۔ (39:41)

علامہ پرویزؒ کے مفہوم القرآن (جلد سوم، سورۃ الزمر:41) سے اقتباس